26
عابدہ حجاب لکھنوی
1/-

چند لفظوں میں

دولت و دُنیا کے پرستاروں کو۔ ان
کی حرص و ہوس کس قدر اندھا بنا
دیتی ہے اور وہ منصفِ حقیقی کے
انصاف کو بھول کر، کیسی شیطنت و
درندگی پر اُتر آتے ہیں۔ لیکن قدرت
انسانی گروہ میں سے کسی کو اپنے
خاموش انتقام پر مقرر کر دیتی ہے
اور مجرم کس طرح اپنے اعمالِ بد کی
ہولناک سزا پاتے ہیں۔ وہ اس
ناول سے ظاہر ہوگا۔

مشورہ پاکٹ بکس میں شائع ہونے والے تمام کردار
مقامات و واقعات فرضی ہیں۔ اور اُن کا کسی
شخص، جگہ، واقعہ یا ادارے سے کوئی تعلق نہیں
ہے۔ کسی فرد۔ مقام۔ یا ادارے سے مطابقت قطعی
اتفاقیہ ہے۔ اور اُس کے لئے مصنّف یا پبلشر کسی
طرح کی ذمّہ داری قبول نہیں کر سکتے۔

عابدہ حجاب لکھنوی

نشیمن
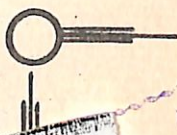
ناشران

مشورہ بک ڈپو

رام نگر۔ گاندھی نگر۔ پوسٹ بکس 1639 دہلی ۳۱

پہلا ایڈیشن　　جولائی ۱۹۶۰ء

ناشران

مشورہ بُک ڈپو

رام نگر۔ گاندھی نگر۔ پوسٹ بکس 1639 دہلی 31

قیمت فی کتاب صرف ایک روپیہ

انڈین پرنٹنگ ورکس۔ نئی دہلی

لکھنؤ کے مشہور اسلامی یتیم خانے ۔ ریاض ملت ۔ کے سالانہ جلسے
کی چہل پہل نے کیننگ روڈ کو دلہن بنا رکھا ہے ۔ یتیم خانے کے پھاٹک کو بڑے
سلیقے سے سجایا گیا ہے ۔ پھاٹک کے سامنے ۔فٹ پاتھ سے ملی ہوئی موٹروں کی قطار
دور تک چلی گئی ہے ۔ مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے ۔ یتیم خانے کے کارکنان پھاٹک
پر مہمانوں کا استقبال کر رہے ہیں کہ ایک شاندار موٹر کار وہاں پہونچتی ہے استقبال
کرنے والے لوگ تیزی سے کار کی طرف بڑھتے ہیں ۔ ناظم یتیم خانہ اپنے معزز مہمان
کو بڑی عزت کے ساتھ گاڑی سے اُتارتے ہیں ۔ اور یہ مختصر سا قافلہ یا جلوس جلسہ گاہ
کی طرف روانہ ہوتا ہے ۔ جلسہ گاہ کے اسٹیج کی سجاوٹ کا کیا کہنا ۔ رنگ رنگ کے
کاغذی اور اصلی تازہ پھولوں اور شال باف پر لکھے ہوئے خوبصورت کتبوں اور
کاغذی بیلوں سے اِس خوبی کے ساتھ سجایا گیا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے ہر آنے والا
اِن مصنوعی بہاروں میں کھو کر رہ جاتا ہے ۔

جلسہ میں نئے مہمان کے پہنچنے پر ایک خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ آنے والا عام لوگوں کی صف میں ایک صوفے پر بیٹھ جاتا ہے۔ ادھر کارکنانِ جلسہ آپس میں کچھ آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہیں اور پھر اُن میں سے ایک شخص اسٹیج پر مائک کے قریب آتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرات جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہم نے اپنے جلسہ کی صدارت کے لئے اپنے شہر کی ایک مشہور اور نامور ہستی کا انتخاب کیا ہے۔ اس لئے اب ہم عالیجناب سر مقصود رئیس اعظم لکھنؤ کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ درخواست کرتے ہیں کہ وہ تشریف لاکر مسندِ صدارت کو رونق بخشیں

تالیوں کی گونج اور زندہ باد کے شور میں وہی نووارد مہمان مسکراتا ہوا اسٹیج کی طرف بڑھتا ہے۔ یہی سر مقصود ہیں۔ پچاس پچپن برس کی عمر، گٹھا ہوا جسم، بھرا ہوا چہرہ۔ کلین شیو، چہرے پر رئیسانہ شان لئے ہوئے کرسی صدارت پر بیٹھ جاتے ہیں۔ سرج کی سیاہ شیروانی۔ اَریبی پائجامہ۔ اور بھورے بال دار ٹوپی میں اچھے خاصے جچتے ہیں۔

جلسے کی ابتدا تلاوتِ کلامِ پاک سے کی جاتی ہے۔ قاری عبدالحیٔ صاحب شرع کی حد میں رہ کر بھی موسیقی کی مہارت کو کہیں کہیں اپنی سُریلی تانوں میں ادا فرماجاتے ہیں۔ ان کے بعد کچھ خوش آواز اور کمسن یتیم بچے ایک نظم جو خاص طریقے پر اس مقصد کے لئے لکھوائی گئی ہے۔ بڑے درد بھرے انداز میں گاکر سناتے ہیں۔ اِس نظم کے خاتمہ پر ناظم یتیم خانہ اپنی سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یتیم خانہ میں جلد سے جلد دستکاری کے درجات کھولنے کی سخت ضرورت ہے۔ رفتارِ زمانہ کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آج تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کو دستکاری بھی سکھائی جائے۔ تاکہ وہ یتیم خانہ سے نکلنے کے بعد روزگار کی تلاش میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے بدلے

خود اپنے سیکھے ہوئے ہنر کی بدولت اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں اور یہ ظاہر ہے
کہ ایسے کام کے لئے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ اُدھر قوم میں مفلسی اور بیروزگاری
بڑھی ہوئی ہے۔ پھر بھی ہم قوم کے ہمدرد اور سخاوت پیشہ لوگوں سے اُن کی امداد کی
آس لگائے بیٹھے ہیں۔ قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے۔ جن کے سینوں میں قوم وملت
کا درد ہے ان کی نظرِ کرم ہمیں ہمارے ارادوں میں ضرور کامیاب کرے گی۔ اب
میں اپنے صدر محترم سے درخواست کروں گا کہ وہ اس سلسلہ میں اپنے روشن
خیالات سے جلسہ کو ممنونِ احسان فرمائیں۔ اُن کی اس درخواست پر تالیوں کی
گونج میں سر مقصود مجمع کو مخاطب کرتے ہیں۔ رسمی الفاظ کے بعد وہ مسلمانوں میں
تعلیمی پستی مفلسی اور بے روزگاری کا تذکرہ فرماتے ہوئے یتیم خانہ میں دستکاری
کے درجات کھولنے پر زور دیتے ہیں۔ بڑی سلجھی ہوئی تقریر دلوں پر اثر ڈالنے والے
الفاظ۔ لہجے میں ایک قسم کا درد۔ تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ مالدار لوگوں میں
بھی ایسے موجود ہیں جو اپنے سینوں میں غریبوں اور لاوارثوں کے لئے درد محبت
کا جذبہ رکھتے ہیں اور پھر وہ مجمع سے اپیل کرتے ہیں کہ ہمدردانِ قوم اس نیک
کام میں کھُلے دل کے ساتھ حصہ لیں یہ صرف ثواب کا ہی کام نہیں ہوگا بلکہ ملک و
قوم کی ترقی کے لئے ایک بڑا شاندار اقدام ہوگا۔ میں بھی اس سلسلہ میں کیا خدمت
کر سکتا ہوں۔ یا ان یتیموں کو کیا نذر پیش کروں۔ اس کے بارے میں دو جملے
عرض کردوں۔ لیکن معاف کیجئے گا آپ میرے اِن الفاظ کے کوئی غلط معنی نہ نکالیں
قسم ہے پروردگارِ عالم کی کہ یہ کسی قسم کی شہرت۔ نام نمود۔ یا برتری کے خیال سے
نہیں۔ مجھے جو کچھ پیش کرنا ہے وہ دردِ قومی کے جذبہ کو دل میں لئے ہوئے تاکہ
آپ حضرات بھی اِن غریبوں کے لئے آئندہ ضرورتوں کے وقت ایسے ہی حوصلوں
سے کام لیں۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ مجھے کیا پیش کرنا ہے۔ تو ہے

اجازت عرض کروں۔

"آج کے اس سلسلہ میں جتنی رقم بھی دستکاری کے درجات کے لئے حاضرینِ جلسہ سے وصول ہو جائے۔ اس کی برابر رقم اس خاکسار کی طرف سے بھی شامل سمجھی جائے۔ اس اعلان پر پورا پنڈال سر مقصود زندہ باد کے نعروں سے گونج اُٹھتا ہے اور اب کارکنانِ یتیم خانہ چندہ وصول کرنے کے لئے اپنی اپنی ٹوپیاں ہاتھوں پر رکھ کر مجمع کی طرف بڑھتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی رقموں کے عطیات سے بھی کافی روپیہ وصول ہو جاتا ہے۔ باقی بڑی رقموں کے وعدے ہو جاتے ہیں جن کے ناموں کی فہرست ساتھ ساتھ تیار ہو رہی ہے۔ اسٹیج کے سامنے ہی پہلی صف میں بمبئی کے بوروں یا خوجوں کے لباس میں ساٹھ پینسٹھ سال کی عمر کا ایک بوڑھا شخص بھی بیٹھا ہوا ہے۔ کتابی چہرہ۔ نیلگوں چھوٹی آنکھیں، کھچڑی داڑھی، درمیانہ قدو قامت۔ صدر کے اس اعلان پر اُس شخص کے چہرے پر حقارت کا ایک خفیف سا تبسم ایک لمحہ کے لئے نمودار ہوتا ہے ...... اور پھر فوراً ہی متین بن جاتا ہے اور پھر کچھ سوچ کر اپنے لانبے کوٹ کی جیب سے ایک چیک بک نکالتا ہے اور چیک لکھ کر اس چندہ جمع کرنے والی جماعت کے حوالے کر دیتا ہوں اور بڑے انکسار کے ساتھ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ اس سلسلہ میں ہمارے نام کا اعلان نہ کیا جائے۔

ناظم یتیم خانہ چیک کی رقم دیکھ کر حیرت میں رہ جاتا ہے اور تحصیل چندہ کا کام ختم ہونے پر وہ اسٹیج پر پہنچ کر لوگوں کی عطا کی ہوئی رقموں کے ساتھ ان کے ناموں کا بھی اعلان کرتا ہے اور پھر فہرست میں ایک مقام پر پہنچ کر حاضرین سے کہتا ہے کہ ایک ہمدردِ قوم و ملت نے جو اپنا نام بھی ظاہر فرمانا نہیں چاہتے۔ اس نیک کام میں بڑی فراخ دلی سے حصہ لیا ہے۔ چنانچہ آپ حضرات کو یہ سنکر مسرت ہوگی

کہ اُنھوں نے اِس سلسلہ میں مبلغ ۲۵ ہزار روپے کا گراں قدر عطیہ ایک چک کی صورت میں عطا فرمایا ہے۔ بہرطور جیسا کہ ہمارے صدر محترم ارشاد فرما چکے ہیں آج کے چندہ کی کل رقم مع وعدوں کے مبلغ باسٹھ ہزار تین سو بیتا بیس تک پہنچتی ہے اور اتنی ہی رقم حسب وعدہ جناب صدر کی طرف سے شامل سمجھی جائے۔ گویا اِس طور پر آج کی وصول شدہ رقم تقریباً سوا لاکھ ہوتی ہے۔ اب ہمیں یقین ہے کہ ہم اپنی درسگاہ کو اگر اعلیٰ پیمانہ پر نہیں تو درمیانی درجے پر بخوبی چلا سکتے ہیں۔ اس اعلان کے دوران میں۔ جلسہ گاہ کے مختلف حصّوں میں اس ۲۵ ہزار کے چک پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں ــــ ارے بھئی یہ کون صاحب ہو سکتے ہیں۔ جو اتنی بڑی رقم دے کر بھی اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ ہوں گے کوئی اللہ کے نیک بندے۔

"ہمارا خیال ہے کہ ہوں نہ ہوں یہ تو وہی بمبئی والے سیٹھ ہو سکتے ہیں کیا نام ہے ان کا؟"

"وہ : عبداللہ سیٹھ۔"

"کون ہیں وہ۔؟"

"وہ اگلی صف میں۔ سنہری پگڑی والے۔ غلّہ اور روئی کا بڑا کاروبار ہے ان کا۔"

ادھر اس اعلان سے جناب صدر کے چہرہ پر ہوائیاں اُڑ جاتی ہیں مگر وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ آپ حضرات نے اس نیک کام میں دل کھول کر حصّہ لیا ہے۔ مگر اتنی گذارش ہے کہ جن جن حضرات کے وعدے ہیں۔ وہ اپنی اپنی رقوم جلد سے جلد ادا فرما دیں۔ رسمی شکریہ کے بعد جلسہ برخاست ہوتا ہے اور لوگ اپنا اپنا راستہ لیتے ہیں

شاہ نجف روڈ سے آگے بڑھ کر جاپلنگ روڈ پر ۔ جہاں اودھ کے بڑے بڑے تعلقہ داروں کی کوٹھیاں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے ۔ انہیں میں سے نشیمن نام کی ایک سہ منزلہ آسمانی رنگ کی خوبصورت کوٹھی ۔ جو کسی وقت راجہ صاحب پربت پور کی ملکیت میں تھی اور جس کو چند سال پیشتر کورٹ آف وارڈ نے ریاست پر قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں فروخت کر دیا تھا ۔ اب وہی کوٹھی بمبئی والے سیٹھ عبداللہ کی ملکیت میں پہنچ چکی ہے جس کو انہوں نے بنواری لال مہاجن سے ساڑھے تین لاکھ میں خرید لیا ہے ۔

کوٹھی کے نچلے حصہ میں سیٹھ کے کاروباری دفاتر وغیرہ ہیں اور پہلی منزل پر مہمان خانہ اور ڈرائنگ روم (ملاقاتی کمرے) دوسری منزل پر خود ان کے رہائشی کمرے اور تیسری منزل ۔ دونوں نچلی منزلوں سے زیادہ شاندار اور سجی ہوئی تھی جس میں ان کے خاندان کی واحد یادگار ۔ چھوٹے صاحب ۔ سیٹھ کے اکلوتے بھتیجے کا قیام تھا جن کے والدین ان کو بچپن میں ہی یتیم بنا کر چھوڑ گئے تھے ۔ اس وجہ سے ان کی تعلیم و پرورش کا سارا بار عبداللہ سیٹھ کے ذمہ رہا ۔ یہ ایک راز تھا یا معمہ جس کو آج تک کوئی حل نہ کر سکا کہ کیوں عبداللہ سیٹھ نے اپنی شادی نہیں کی ۔ اور کیوں انہوں نے تجرد کی زندگی اختیار کی ۔ چونکہ ان کے اپنے کوئی اولاد نہ تھی ۔ اس وجہ سے ان کی امیدوں کا سرچشمہ یا اُن کے خاندان کا چراغ صرف چھوٹے صاحب کی ذات تھی اور وہی اُن کی ساری دولت اور جائداد تھی ۔ چھوٹے صاحب اکیس بائیس سال کے تندرست خوبصورت اور خلیق نوجوان تھے ۔ دلکش چہرہ ۔ موزوں اعضاء ۔ بہت ملنسار ۔ لکھنؤ یونیورسٹی کے ایم ایس سی کے ایک ہونہار طالب علم تھے ۔ ان کا ذہنی

عملہ بھی مخصوص تھا۔ ان کے رہنے کے کمرے بھی ساز و سامان اور سجاوٹ کے اعتبار سے
راجہ نوابوں کے ہم پلہ تھے۔ سیٹھ صاحب نے حال میں ہی اُن کو ہلکے نیلے رنگ کی ایک
قیمتی کار بھی خرید کر دی ہے۔ جس کو وہ خود ہی چلاتے ہیں۔ ہو سکتا تھا کہ نئی گاڑی
کے نمائش کے شوق میں چھوٹے صاحب تعلیم سے فرصت کے اوقات میں لکھنؤ جیسے مقام
پر اپنی گاڑی اُڑائے پھرتے لیکن نہیں۔ خدا جانے اس نوجوان میں کونسی بوڑھی
روح حلول کئے ہوئے تھی کہ وہ آزادئ تمام کے باوجود بے ضرورت اپنی گاڑی کو
ایک فرلانگ بھی لیجانا پسند نہیں کرتا تھا۔ یونیورسٹی میں اس کی کلاس فیلو کتنی حسین
لڑکیاں اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتیں۔ لیکن یہ اللہ کا بندہ رومانس
اور دل لگی کے معاملہ میں بڑی حد تک کورا یا سپاٹ واقع ہوا تھا۔

عبداللہ سیٹھ کی کوٹھی میں نہ کوئی زنان خانہ تھا اور نہ کوئی عورت۔ البتہ کوٹھی
کے احاطہ میں نوکروں کے کوارٹروں میں کہیں کہیں کچھ عورتوں اور بچوں کی آواز سنائی
دے جاتی تھی۔ باقی تمام کوٹھی پہ مردانہ دور دورہ

اس وقت رات کے ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔ نومبر کا مہینہ۔ سردی اپنے شباب
کی منزلوں کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ جاپلنگ روڈ پر ابھی سے سناٹا چھایا
ہوا ہے۔ برقی قمقموں سے جگمگانے والی کوٹھیاں ستاروں سے ہمکلام نظر آتی ہیں۔ ادھر
نشیمن کی دوسری منزل کے مخصوص کمرے میں عبداللہ سیٹھ ایک لانبے صوفے پر دراز
ہیں۔ ان کے قریب ہی فرشی قالین پر ان کا معتمد خاص۔ یا منیجر۔ چالیس پینتالیس
سال کی عمر کا۔ زبیر نامی بیٹھا ہوا ہے۔ جس کے چہرے سے چالاکی اور ذہانت
ٹپکتی ہے۔ سیٹھ صاحب حقہ کا کش لگاتے ہوئے اس سے ہمکلام ہیں۔ "تو پھر وہ
کب تک ہمارے پاس پہنچ جائے گا۔؟"

"یقین ہے کہ کل دوپہر سے پہلے۔"

"اچھا تو پھر۔ پوری تفصیل بتاؤ کہ کون کون اور کس طرح پیش آیا اور کیا ہوا۔"

"حضور کسی کام میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ حضور کی چٹھی دیکھتے ہی گورنر صاحب کے چیف سیکریٹری۔ گورنر صاحب کے پاس فوراً ہی پہنچے۔ مشکل سے دس منٹ گذرے ہوں گے کہ واپس آکر انہوں نے انسپکٹر جنرل پولیس کو فون کیا۔ کچھ دیر اُن سے فون پر آہستہ آہستہ باتیں ہوئیں۔ پھر انہوں نے اپنے اسٹینو گرافر کو کچھ بتایا۔ اُس نے چٹھی ٹائپ کی۔ اور میں وہ چٹھی لے کر سیدھا سنٹرل جیل پہنچا۔ جیلر صاحب نے جیل کے ڈاکٹر صاحب سے کچھ مشورہ کیا۔ اس پر ڈاکٹر نے ایک رپورٹ لکھی اور رپورٹ اسی وقت ایک سپاہی کی معرفت انسپکٹر جنرل پولیس کے پاس روانہ کر دی گئی اور مجھ سے کہدیا گیا کہ اب آپ جا سکتے ہیں۔ اطمینان رکھئے آپ کا آدمی کل صبح جیل سے آزاد کر دیا جائے گا۔"

"پھر تم جیل میں شبّن خاں سے ملتے ہوئے نہیں آئے۔"

"ہاں، یہ تو میں عرض کرنا بھول ہی گیا۔ میں اس سے جیل میں ملا۔ اس کو یہ خوش خبری سنائی تو وہ بڑے اصرار کے ساتھ یہ پوچھتا رہا کہ آخر سیٹھ صاحب کی اس مہربانی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ جس کا میں نے جواب دیا کہ وجہ کیا ہوتی۔ صرف یہی کہ وہ تمہیں بے گناہ سمجھتے ہیں۔ اس نے ہزاروں دعائیں دیں۔"

"بس یا اور کچھ۔"

"اس کے سوا میں نے ایک حرف بھی نہیں کہا۔"

"تو ٹھیک اب تم ایسا کرو کہ شہر کے کسی اچھے علاقے میں کوئی چھوٹی سی کوٹھی یا کسی بڑی کوٹھی کا ایک حصہ لیکر ضروری سامان اور فرنیچر۔ اور دو نوکروں کے ساتھ مخصوص کر دو۔"

"جیسا حکم ہو۔"

"مگر یہ سب کچھ فوراً ہی کل دوپہر سے پہلے ہو جانا چاہیئے۔ جاسکتے ہو۔"
زبیری کے جانے کے بعد عبداللہ سیٹھ کسی گہری فکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے۔ یہ ریسیور اٹھاتے ہیں۔ ہلو۔ کون۔ اوہ سر مقصود۔ فرمایئے کیسا مزاج ہے...... جی مجھ سے شکایت ہے آپ کو۔ خیر باشد۔ مجھسے ایسی کیا تقصیر ہوئی...... جی میں نے مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ وہ کیونکر...... پینسٹھ ہزار کے گڑھے میں اُتار دیا...... عجیب بات ہے۔ عطیہ کا اعلان آپ کریں۔ اور الزام مجھ غریب کے سر دھریں۔ ...... کرنا کیا۔ اللہ نے آپ کو توفیق دی ہے۔ اُنہیں پینسٹھ میں پینتیس ہزار اور ملا کر پورے ایک لاکھ کر دیجئے...... یہ تو کارِ خیر ہے حضور۔ یتیموں کی پرورش قوم کی خدمت۔ ملت کی بھلائی۔ پھر شہرت و ناموری دین اور دُنیا دونوں کمایئے۔ مذاق کیسا حضور۔ بھلائی کوئی یقین کرسکتا ہے کہ سر مقصود کی تجوری ادو لاکھ بھی نہ اُگل سکے...... چھوڑیئے بھی سر صاحب۔ کیوں پیٹ پتلا تے ہیں۔ یہ بھی کوئی اتنی بڑی رقم ہے جس کے لئے آپ کو پریشانی ہو...... لگان وصول نہیں ہوا۔ فصل نہیں اُٹھی۔ آپ کو فصل سے کیا لینا۔ دنیا جانتی ہے کہ آپ فصلی نہیں بلکہ نسلی رئیس ہیں...... جی یہ انتظام مجھے کرنا ہوگا۔ بس اتنی سی بات جس وقت حکم ہو روپیہ حاضر کر دیا جائے گا...... شکریہ کی ضرورت نہیں لیکن تکلف برطرف۔ ناگوار خاطر نہ ہو تو ایک حقیقت اور واضح کر دوں۔ ......"وہ یہ کہ میری زندگی کے کچھ اصول ہیں۔
میں دوستوں میں لین دین کے معاملے کو اچھا نہیں سمجھتا۔ مثل مشہور ہے۔ قرض مقراضِ محبت ہے۔ اس لئے قرضہ پر اطمینان کے لئے کچھ...... جی ہاں یہی میرا مطلب ہے ...... وہ میں خود ہی حاضر کر دوں یا کسی سے دلوا دوں...... جی ہاں اطمینان فرمائیں بند وبست ہو جائے گا۔ آپ صبح کسی وقت تشریف لے آئیں۔ شب بخیر۔

(ہاتھ سے ریسیور رکھتے ہوئے) مسکراتے ہیں۔ اور پھر نوکر سے مخاطب ہوتے ہیں جو کچھ کہنے کے لئے حاضر ہے) کیوں کیا ہے۔

"کھانا لگ چکا ہے حضور۔"

"چھوٹے صاحب کو بلایا۔"

"مجید گیا ہے انھیں بھی بلانے۔"

"اچھا۔ اوہ نو بج گئے۔ ..... عبداللہ سیٹھ وہاں سے اُٹھ کر کھانے والے کمرے میں پہنچتے ہیں۔ جہاں چھوٹے صاحب اُن سے پہلے پہنچ چکے ہیں۔ تو سیٹھ اُن سے کہتے ہیں بھئی ہزار بار کہا گیا ہوگا کہ آپ کھانے پر ہمارا انتظار نہ کیا کریں۔ ہمیں تو جب کاروباری جھمیلوں سے فرصت ملے گی کھائیں گے (بیٹھتے ہوئے) اور کہیئے آپ کی اسٹڈی کا کیا حال ہے۔"

"محنت تو کر رہا ہوں۔"

"خالی کامیابی نہیں۔ پوزیشن اور ڈویژن چاہیئے۔"

"آپ کی دعائیں شامل حال ہوں تو پھر پوزیشن کیا دشوار ہے۔"

"ہمارے خیال میں یونیورسٹی کے کسی قابل۔ سائینس کے پروفیسر کا ٹیوشن لے لیا جائے۔ تو اور بہتر ہوگا۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں چچا جان۔ میں اپنے کچھ ساتھیوں سے مشورہ کر رہا ہوں کمبائنڈ اسٹڈی کے لئے۔ اس سے بڑی مدد ملے گی۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں اور ہاں کیا وہاں لڑکیاں بھی لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہیں۔ کیا یہ سچ ہے۔"

"جی ہاں! مگر اس میں ہرج ہی کیا ہے۔"

"ان میں کچھ خوبصورت لڑکیاں بھی ہوں گی۔"

"خوبصورت، بدصورت ہر طرح کی ہیں۔"

"ہمارے پوچھنے کا مطلب یہ تھا کہ ان میں سے کوئی آپ کے قابل بھی ہے"

"جی میں وہاں لڑکیوں کو نہیں کتابوں کو دیکھتا ہوں۔"

"پھر بھی ہے کوئی نظر میں — ادہ ہاں۔ وہ ہیں نا سر مقصود۔ ان کی لڑکی کیا نام ہے۔ وہ بھی تو شاید آپ کی ساتھی ہوگی۔"

"جی وہ شہناز — کلاس فیلو ہیں۔"

"خیر تو اصل بات یہ ہے کہ سر مقصود کئی بار ہم سے کہہ چکے ہیں۔"

"کاہے کے لئے۔"

"یہی کہ کیا کنڈا اسٹڈی میں اُن کی شہناز کو بھی اپنے ساتھ لے لیں تو"

"جی ضرور انھیں ساتھ لیا۔ وہ تو یونین کے الیکشن میں میرے مقابلہ پر کھڑی ہوئی ہیں۔"

"خیر ان معاملات کو تو دیکھا جائے گا۔ اگر وہ اس الکشن میں آپ کے حق میں دست بردار ہو جائے تو۔"

"تو پھر دیکھا جائے گا۔ کھانا ختم ہوتا ہے اور یہ لوگ اپنی اپنی خوابگاہوں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

سر مقصود۔ خاندانی رئیس۔ بڑی جاگیر و جائداد کے مالک۔ ان کے والد مرحوم خان بہادر محمود میاں نے اپنے انتقال سے پہلے تمام جائداد اور زرِ نقد

کو اپنے دونوں بیٹوں ۔ میاں مسعود اور سر مقصود میں برابر تقسیم کر دیا تھا۔ یہ دونوں
بھائی ایک ماں سے نہ تھے ۔ پہلی بیوی سے میاں مسعود اور دوسری سے سر مقصود
مسعود میاں ابتدا سے ہی بڑے نیک مزاج اور پکّے مسلمان تھے ۔ پابند صوم وصلوٰۃ
بخلاف ان کے یہ چھوٹے بھائی سر مقصود سب گنوں پورے نکلے ۔ باپ کے انتقال
کے بعد خوب گلچھرے اڑائے ۔ رئیسانہ ٹھاٹ کے ساتھ عیاشی کے سارے گھر دیکھ
ڈالے جس کے نتیجہ میں چار سال میں ہی اپنے حصّہ کی تمام جائداد اور زرِ نقد صاف
کر بیٹھے کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا ۔ میاں مسعود کو جب کہ وہ ایک اندھیری شام
کو شہر سے اپنی گاؤں والی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے ۔ راستے کے جنگل میں ڈاکوؤں
نے انھیں اپنی گولیوں کا نشانہ بنا ڈالا اور اس کے بعد جی کھول کر اُن کی کوٹھی کو لوٹا ۔
اُن کا ایک کمسن تین سال کا بچہ بھی تھا جس کا آج تک پتہ نہ چلا کہ ڈاکو اُسے اپنے
ساتھ اُٹھالے گئے یا نہیں کہیں مار کاٹ کر پھینک گئے ۔ بہرحال مسعود میاں کی
واردات قتل کے بعد اُن کی تمام جائداد کے وارث میاں مقصود ہی قرار پائے ۔ یہ
جائداد مل جانے پر مقصود میاں نے بڑی حد تک اپنی حالت میں اصلاح پیدا کر لی ۔
اور بدنامی کے پچھلے داغ دور کرنے کے لئے انھوں نے پبلک لائف میں بڑی دلچسپی
سے حصّہ لینا شروع کر دیا اور سرکار انگریز کی خیر خواہی میں ہی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا جس
کے صلے میں اُن کو گورنمنٹ برطانیہ نے سر کے معزز خطاب سے نواز دیا ۔ لیکن مثل مشہور
ہے کہ باپ پر پوت ۔ پتا پر گھوڑا ۔ بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا ۔ سر مقصود کے صاحبزادے
مشہود میاں عیاشی کے میدان میں باپ سے بھی دس قدم آگے ہی نکل گئے ۔ سر مقصود
نے اس کی اصلاح کیلئے بڑی کوششیں کیں ۔ مگر ناکام رہے ۔ آج کل تو اس کی آزادی
اپنے شباب پر ہے ۔ جس کی وجہ سے سر مقصود اس کی صورت سے بھی بیزار ہیں ۔ مشہود میاں نے
مرکھپ کے ایف اے تک تعلیم حاصل کر لی تھی ۔ جبکہ اُن کی حقیقی چھوٹی بہن شہناز اس وقت

لکھنئو یونیورسٹی میں ایم ایس سی میں تعلیم پا رہی ہے۔ شہناز ایک قبول صورت۔ مہذب سلیقہ شعار اور پاکباز لڑکی ہے جو ماں باپ کے اشاروں پر چلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج کل اکیلی ہی ماں باپ کی لاڈلی بیٹی ہے۔

اس وقت صبح کے ۹ بج چکے ہیں اور شہود میاں سر مقصود کے حضور اپنی ضروریات عیاشی کے لئے کسی بڑی رقم کی وصولیابی کے لئے اصرار کر رہے ہیں جس پر سر مقصود کہتے ہیں۔

"تمہارے خرچوں کیلئے تو قاروں کا خزانہ بھی کافی نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر میں کہاں جاؤں۔ ضروریات زندگی کے لئے کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں۔"

"ہاتھ پھیلانے کی کیا ضرورت۔ معذور نہیں، اپاہج نہیں۔ نہ سہی کوئی بڑی ڈگری، معمولی نوکری تو کر سکتے ہو۔"

"جی نوکریاں تو ہزار۔ میں تو صرف آپ کی عزت اور نام کے خیال سے کہیں نہیں جاتا کہ دنیا کیا کہے گی کہ سر مقصود جیسے رئیس اعظم کا بیٹا اور۔۔۔۔

"نوکری کرتا ہے۔ یہ تو تعریف کے قابل بات ہو گی۔ اس میں ہماری کوئی بے عزتی نہیں۔"

"خیر نوکری تو جب کریں گے تب کریں گے۔ آج کی ضروریات کہاں سے پوری کی جائیں۔ کپڑے بھی ختم ہو چکے۔"

"کپڑے ختم ہو چکے۔ آدھی درجن سوٹ اور تین چار شیروانیاں بنے ابھی کتنے دن ہوئے ہیں۔"

"جی وہ کپڑے اس قابل ہیں کہ کسی اعلیٰ سوسائٹی میں پہن کر کوئی جا سکے"

"کیا کہتے تمہاری ریاست کے۔"

"جی ریاست تو آپ کی ہے جو بات کی بات میں یتیم خانہ کو ساٹھ ستر ہزار

کی رقم عطا فرمائیے ۔ ہم تو ان میتیوں سے بھی گئے گذرے ۔ "
" اچھا دماغ نہ چاٹو بن جائیں گے اور کپڑے ۔ "
" خالی کپڑوں سے کیا ہوتا ہے اور بھی تو ہزار خرچ ہیں ۔ "
" ان ہزاروں خرچوں کے لئے ڈھائی سو روپے ماہوار جیب خرچ کی رقم کیا ناکافی ہے ۔ "
" لیجئے بھلا ۔ ڈھائی سو روپے کی کیا حیثیت ہے ایک رئیس زادے کیلئے ۔ "
" میں کہتا ہوں کہ یہ ریاست کا خنّاس دماغ سے نکال دو مشہود، آج کل تو سفید پوشی بھی دشوار ہے ہم ایسوں کے لئے ۔ "
" ہوگی دشوار ـــ پانچ ہزار کی مجھے سخت ضرورت ہے ۔ بازار کا قرضہ اتنا ہوگیا ہے کہ باہر نکلتے بھی شرم آتی ہے ۔ "
" تمہارے ایسے فضول خرچی کے قرضوں کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہم سے ایک کوڑی کی بھی اُمید نہ رکھو ۔ کان کھول کر سُن لو ۔ "
" تو پھر آپ بھی سُن رکھیں کہ ایسی صورت میں جو کچھ میری سمجھ میں آئے گا وہ کر گذروں گا ۔ "
" چوری کروگے یا کہیں ڈکیتی کا ارادہ ہے ۔ "
" یہ سب کچھ تو آپ بزرگوں کے حصّے کے کارنامے ہیں ۔ "
" گستاخ بدتمیز ۔ چلے جاؤ، ہمارے سامنے سے نہیں تو ۔ "
" بہت بہتر ـــ " یہ کہہ کر مشہود بڑے غصّے کی حالت میں اس کمرہ سے نکل جاتا ہے اور سر صاحب پیچ و تاب کھاتے ہوئے کمرہ میں ٹہلنے لگتے ہیں ۔ ادھر مشہود سیدھا ماں کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے ۔ " دیکھئے آخر وہی ہوا نا ۔ "
" کیا کہا انہوں نے ۔ "

"وہی جو کچھ ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں اور کیا۔"

"تو کچھ دیا نہیں انہوں نے۔"

"جی۔ بہت کچھ دیا۔"

"کیا۔؟"

"کچھ لعنتیں، کچھ ملامتیں، کچھ گالیاں اور کچھ ٹھوکریں۔"

"اب وہ بھی سٹھیا چلے ہیں بالکل۔"

"اچھا اب آپ کیا فرماتی ہیں۔"

"میں تو بتا چکی ہوں۔ میرے چندا کہ میرے پاس تو۔"

"وہی پرانا دکھڑا باقی ہے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں۔ یاد رکھئے کہ کسی دن یا تو خودکشی کر لوں گا یا پھر کسی طرف ایسا منھ کالا کروں گا کہ زندگی بھر صورت کو ترسو۔"

"نہیں نہیں میرا لال۔ تم یہ بچپنے کی بات چھوڑو، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں پرائی امانت کی کچھ رقم رکھی ہے۔ میرے پاس۔ مگر۔"

"امانت، ضمانت میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے تو پورے پانچ ہزار چاہئیں۔ قرضے کی بے باقی کو، اور وہ آپ دیں گی۔"

"اب زیادہ ہاتھ پاؤں نہ پھیلاؤ مشہود۔ دو ہزار سے ایک پیسہ بھی زیادہ ممکن نہیں ہے۔"

"آپ تو ہمیشہ یوں ہی فرمایا کرتی ہیں۔ میری اچھی امی۔ آپ کو میری جان کی قسم آپ میرا مرده۔"

"بس بند کرو زبان۔ ہوش میں ہے کچھ۔ جب میں بتا چکی کہ پرائی امانت۔"

"مگر سن تو لیجئے۔ اچھا چلئے۔ چار ہزار پر فیصلہ۔"

"لیکن میں۔"

"چلئے تین ہزار۔ بس اب کچھ نہ کہے گا۔ اس سے کم میں کام نہیں چل سکتا

اللہ امی....."

آخر ماں کی اندھی مامتا مجبور کر کے ہی چھوڑتی ہے اور مشہود میاں تین ہزار کی رقم ماں سے وصول کر کے اپنے عیاشی کے اڈوں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ کہ بالائی منزل سے نہہنا زیونیورسٹی جانے کے لئے نیچے اُترتی ہے اور ماں سے کہتی ہے۔ معاف کرنا امّی جان آج مجھے ایک ضروری کام ہے۔ واپسی پر آپ کا جمپر ضرور تیار کر دونگی۔"

"ہو جائے گا تیار، تم اپنا کام دیکھو بیٹیا۔"

"امی جان خیر تو ہے آپ کی طبیعت کیسی ہے۔"

"ٹھیک ہوں۔ مجھے کوئی بیماری یا موت پوچھنے والی نہیں۔"

"کیا کوئی نئی بات۔"

"نئی بات کیا ہوتی۔۔۔ وہی روز کی دانتا کلکل۔ پیسے کی خاطر۔ بیٹے کے تو دشمن بن گئے ہیں وہ۔ ایک نظر نہیں دیکھ سکتے اُسے۔ یہ کسی روز اس کی جان لئے بیٹھے ہیں اور کیا۔"

"مگر آپ بھی تو بھائی جان کو نہیں سمجھاتیں کہ وہ اپنی ایسی فضول خرچیاں چھوڑیں۔"

"کیا فضول خرچیاں ہیں اس کی۔ ایک اُجلے خرچ والے رئیس زادے کے لئے ڈھائی سو روپلی بھی کچھ حقیقت رکھتے ہیں۔"

"معاف کیجئے گا۔ آپ کی ایسی ہی باتوں نے بھائی جان کو اور شے دے رکھی ہے۔ مناسب جگہ وہ جتنا بھی خرچ کریں کوئی ناگواری نہیں۔ مگر جہاں جہاں وہ خرچ کرتے ہیں اور جن طریقوں پر۔ وہ حد درجہ قابلِ ملامت۔"

"یہ تم کہہ رہی ہو شہناز ــ اور اپنے بڑے بھائی کیلئے۔"

"جی۔ کاش آپ باہر کے لوگوں کی آوازیں سُن سکیں۔ اگر سُنیں تو کانوں پر ہاتھ رکھیں کہ بھائی جان کتنے غلط راستے پر چل رہے ہیں۔ نہ انہیں اپنی عزت کا پاس ہے اور نہ خاندان کی بدنامی کا۔"

"آج کل کے نوجوانوں میں فرشتہ تو مجھے کوئی بھی نظر نہیں آتا۔"

"اب میں آپ سے کیا عرض کروں۔ بحث کی مجال نہیں، اور نہ کھل کر حالات ہی بیان کر سکتی ہوں۔"

"وہ جو کچھ بھی حالات ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا شادی ہو جانے پر۔"

"شادی..... دیکھئے کس غریب لڑکی کی قسمت..... کھلتی ہے (مسکرا کر چل دیتی ہے)

گھسیاری منڈی اور بیرون خندق سے متصل ایک شاندار عمارت واقع ہے۔ جس کے پردوں کی دیواروں کا ضامن وہ آہنی پھاٹک ہے۔ جس پر ایک گورکھا چوکیدار یا دربان پنجابی کمر سے لگائے۔ بلڈانگ کی طرح آنکھیں نکالے ناک چڑھائے اس کوٹھی میں داخل ہونے والوں کو قہر آلود نظروں سے گھورتا ہے۔

اس کوٹھی کی مالکہ۔ بی شبنم ہیں۔ لکھنؤ کی ایک مشہور مغنیہ یا طوائف جوانی اور شباب کے عروج کے زمانے میں جنہوں نے دُنیا کی ہزاروں بہاریں لُوٹ کر اپنی کوٹھی کو سدا بہار بنا ڈالا ہے۔ کوٹھی سے ملحق ایک چھوٹا سا پائیں باغ بھی ہے

جس کے وسط میں ایک سنگ مرمر کا حوض بھی مع فوارے کے موجود ہے۔ جہاں بی شبنم کی اکلوتی لاڈلی صاحبزادی مس نسیم اکثر اپنا جی بہلایا کرتی ہیں۔ خیر سے نسیم شباب کی منزلوں میں قدم رکھ چکی ہیں اور آج کل اُن کی پُربہار جوانی کا تذکرہ شہر کے ہر من چلے نوجوان کی زبان پر ہے۔ اس کی صورت کے سینکڑوں دیوانے، یا اس شمع کے بے شمار پروانے صبح شام کوٹھی کے آس پاس چکر لگایا کرتے ہیں کہ شاید تقدیر لڑ جائے اور کسی صورت تسنیم کا ایک جلوہ ہی نظر آجائے۔ انھیں دل پھینک لوگوں میں سے حسن و جوانی کے متوالے سر مقصود سے فرزند ارجمند مشہود میاں بھی ہیں۔ چنانچہ آج جبکہ دن کے گیارہ بج چکے ہیں۔ وہ اپنی بیوک کار بڑی تیزی سے اُڑاتے چلے آتے ہیں اور آہنی پھاٹک پر پہنچ کر ایسا بریک لگاتے ہیں کہ جس کی آواز پر گورکھا دربان بڑی طرح چونک پڑتا ہے۔ اور ان کو گاڑی سے اترتا دیکھ کر باقاعدہ سلام جھاڑتا ہے۔ اور مشہود میاں سر کے اشارے سے جواب سلام دیتے ہوئے کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ کوٹھی کے اندرونی حصہ میں پہنچ کر۔ ملازم خاص کی معرفت اپنی آمد سے مطلع کراتے ہیں۔ جس پر بی شبنم فرماتی ہیں۔ "پھر آن مرے یہ شریف بھڑوے تکیہ چوسٹے تماشبین۔ خیر بلالو۔ بیٹھا دو ادھر۔"

اذنِ باریابی مل جانے پر مشہود میاں بڑی شگفتہ خاطری کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہیں، جہاں ان کو وہی ملازم بندو نامی ایک صوفے پر تشریف رکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے "بیگم صاحبہ کچھ کام میں ہیں ابھی تشریف لاتی ہیں۔"

ڈرائنگ روم نیم مشرقی اور نیم مغربی وضع پر آراستہ ہے۔ جہاں ایک طرف تو شاندار صوفہ سٹ اور انگریزی وضع کا قیمتی فرنیچر لگا ہوا ہے، تو اس کے بالمقابل سفید چاندنی۔ قالین، گاؤ تکیہ۔ اُگالدان۔ خاصدان وغیرہ اور دیگر مشرقی لوازمات موجود ہیں۔ دروازوں پر قیمتی اور شاندار ریشمی پردے پڑے ہوئے ہیں۔

قدِ آدم حلبی و بلجیمی آئینے اور کچھ بڑے تاریخی و خیالی مرقعے ہال کی زینت کو بڑھا رہے ہیں ادھر ہال کی چھت میں۔ جھاڑ۔ ہانڈی۔ فانوس۔ جھابے۔ جن میں برقی روشنی کا سلسلہ قائم ہے کثرت سے آویزاں ہیں۔ جنھوں نے ہال کو اور زیادہ شاندار بنا دیا ہے۔ جس کو دیکھ کر ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ مشرق کو مغرب کے ساتھ بڑی سلیقہ شعاری سے مربوط کیا گیا ہے۔ ہر ملاقاتی کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی بڑے راجہ یا نواب کے محل میں باریاب ہے اور یہ ہے بھی ایک حقیقت۔ نہ جانے کتنے راجاؤں۔ نوابوں اور تعلقہ داروں کی کوٹھیوں کے سامان نے اس ہال کی آراستگی میں حصّہ لیا ہے۔

تھوڑے وقفہ کے بعد ایک دروازہ کے پردہ کو جنبش ہوتی ہے اور بی شبنم لکھنؤ کے خاص بیگماتی انداز میں ملکہ وقت بنی ہوئی نمودار ہوتی ہیں۔ جن کو دیکھ کر مشہود میاں بڑے ادب کے ساتھ کورنش و آداب بجالاتے ہیں اور وہ ایک بزرگانہ ادا کے ساتھ سر کی جنبش سے جوابِ سلام دیتی ہوئی مسکرا کر فرماتی ہیں۔ آج کدھر بھول پڑے مشہود میاں۔ واللہ بڑے بے مروّت ہیں آپ بھی۔

"جی کیا عرض کروں، کچھ ایسے ہی (مشہود نے کہا)

"رہنے بھی دیں۔ اِس درمیان میں خیر میرا ذکر ہی کیا۔ بی تبسم کتنی بار پوچھ چکی ہیں آپ کو کہ کہاں غائب ہیں ہفتوں سے۔ اب بھلا میں انھیں کیا بتاؤں۔ تشریف رکھیں۔ اور کہیے کیا حالات ہیں۔ اپنے آبا جان کے ساتھ کیسی گذرتی ہے آج کل صلح ہے یا جنگ۔"

"جی وہ پانی پت کا میدان تو ہمارے گھر میں گھس پڑا ہے کبھی سے پھر جنگ سے کہاں چھٹکارا۔"

"اصل میں یہ زیادتی ہے سر مقصود کی۔ اکلوتا جوان بیٹا اور پیسہ جیسی حقیر چیز کے لئے اتنی دولت رکھتے ہوئے بھی اس کو پریشان رکھنا کہاں تک درست ہے۔"

آخر وہ ساری دولت ہے کس کی اور کس کیلئے ۔ ساتھ تو لیجانے سے رہے۔"

"تو ہم بھی اپنی کرنی سے کب باز آتے ہیں۔ اگر ان پر داؤ نہیں چلتا تو پھر اللہ خوش رکھے اپنی اتی جان سے کچھ نہ کچھ جھٹک ہی لاتے ہیں۔" "اور ہاں آج مس نسیم کہاں ہیں۔"

"ارے ابھی تو یہیں بیٹھی کلام مجید کی تلاوت کر رہی تھیں۔ اب پہنچی ہوں گی اپنی لائبریری میں۔ مذہبی کتابوں میں بڑا جی لگتا ہے اُن کا۔ ٹھہریں۔ میں ابھی اطلاع کراتی ہوں۔ گھنٹی بجانے پر ایک خادمہ حاضر ہوتی ہے جس کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ مس نسیم سے کہے کہ اُن کے ایک خاص مہمان اُن کا انتظار کر رہے ہیں۔ پھر فرماتی ہیں "بھئی، میں تو اس لڑکی سے عاجز ہوں۔ اِس کو تو کسی مولوی کے گھر پیدا ہونا تھا۔ دن رات وہ ہے اور روزہ نماز۔ وظیفے۔ دعائیں۔ مناجاتیں۔ یا کلام پاک کی تلاوت۔ موسیقی کی طرف قطعاً توجہ نہیں اور اگر سمجھاؤ تو آیاتِ قرآنی سُنانے کو بیٹھ جاتی ہے۔ اب کون اِسے سمجھائے۔ اب کل ہی کی بات ہے وہ ہیں نا، سودن پور والے راجہ صاحب وہ آئے تھے۔ ایک فلم بنا رہے ہیں بمبئی میں۔ بی نسیم سے انہوں نے درخواست کی کیسی کیسی خوشامدیں کیں۔ ہیروئن کے کام کیلئے پانچ ہزار روپے ماہوار۔ کوٹھی۔ کار۔ دو نوکر۔ یہ سب خرچ ان کے ذمے۔ مگر اوں ہوں۔ اس اللہ کی بندی نے حامی نہ بھرنا تھی نہ بھری۔ میں نے بھی کچھ زیادہ زور نہیں دیا۔

"یہ کیوں۔"

"یوں کہ فلمی دنیا اب شریفوں کے قابل نہیں رہ گئی ہے۔ میاں ہم دیکھتے ہیں اپنی عزت آبرو کو۔ پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ اپنی موتی جیسی آبرو کو یوں نہیں گنوا سکتے۔ ایسے لاکھ پر بھی نہ تھوکیں۔"

"واقعاً فلمی دنیا کی حالت تو بہت خراب ہے۔"

"پھر کہو کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے۔ کیا بتاؤں کس قدر پاکیزہ خیالات ہیں اس کے۔ اِسی لئے میں نے بھی سوچا ہے کہ کسی شریف نوجوان سے اس کا پلّو باندھ دوں۔ اور یہ کام میں نے تم پر ہی چھوڑ رکھا ہے مشہود میاں۔ تمہیں یاد ہوگا میں نے پہلے بھی کہا تھا۔"

"تو اِس فکر سے غافل میں بھی نہیں ہوں اور ہے ایک آسامی میری نظر میں اگر کہیں وہاں رشتہ ہوگیا تو مس نسیم راج کریں گی۔ آپ کے قدموں کی قسم۔"

"کون ہے وہ۔"

"ایم اے میں پڑھتا ہے۔ نہایت خوبصورت اور نیک مزاج نوجوان۔ کروڑوں کی دولت والا۔"

"اچّھا۔"

"جی ہاں۔ عبداللہ سیٹھ کا تو آپ نے نام سُنا ہوگا۔"

"ہاں ہاں وہ بمبئی والے سیٹھ۔ اُنہیں کون نہیں جانتا اتنے بڑے آدمی کو۔"

"بس انہیں کا بیٹا سمجھئے۔"

"سمجھنے کے کیا معنی۔"

"معنی یہ کہ اصل میں وہ ہے تو ان کا بھتیجا۔ مگر چونکہ اُن کے اپنے کوئی اولاد نہیں ہے اس لئے تمام دولت اور جائداد کا اکیلا وارث تو اب وہی ہے۔"

"نام کیا ہے۔"

"نام تو ..... مجھے ٹھیک یاد نہیں اس وقت۔ ویسے ان کو چھوٹے صاحب کہہ کر پکارا جاتا ہے۔"

"تو پھر۔"

"لاتا ہوں کسی ترکیب سے کسی روز اُنہیں۔"

"اس چاند کی چودہ کو نسیم کی سالگرہ کا جشن ہونے والا ہے۔ اس کے لئے
دعوت دے دو۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔" دوران گفتگو میں مس نسیم بھی
وہیں پہنچ جاتی ہیں نسیم واقعتاً جانِ بہار ہے۔ جوانی کی راتیں امنگوں کے دن۔ ایک
اُبھری ہوئی قیامت۔ حُسن و جوانی کی جیتی جاگتی تصویر۔ خاص انداز و ادا کے ساتھ
ملاقات کے کمرے میں داخل ہوتی ہے اور تسلیم کرکے ادائے خاص سے مخاطب ہوتی ہے
کہ "ادہو۔ آج آپ کدھر بھول پڑے۔ میرے اللہ بنا چاند کدھر سے نکلا اور فرمائیے
مزاج کیسا ہے۔"

"عنایت ہے آپ کی۔"

"دیکھئے، اب تم جانو اور تمہارے مہمان۔ مجھے کچھ اور ضروری کام دیکھنا ہیں یہ
کہہ کر شبنم ان کو تنہائی کا موقع فراہم کرکے رخصت ہوجاتی ہیں۔ مگر اشاروں کی زبان
میں سمجھاتی ہوئی کہ شکار آج بھرا پڑا ہے۔ سلامت نہ جانے پائے۔ شبنم کے جانے کے بعد
نسیم کہتی ہے کہ آپ تو اس دن ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا رسید کا۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ ایک
حقیر سی فرمائش بھی آپ کو ادہر کا راستہ بھلادے گی۔

"نہیں یہ بات تو نہیں تھی اصل میں۔"

"جی ہم باز آئے کسی فرمائش سے۔ بس لیکن۔"

"سنئے تو سہی۔"

"جی کچھ نہیں۔ اب اگر ہم کسی فرمائش کا نام لیں تو گنہگار۔ مگر خدا کے لئے
ایسی بے مروتی اختیار نہ کریں کہ ہم دیدار کو بھی ترس جائیں۔

"اصل میں میرا خیال تھا کہ جڑاؤ دست بند آپ اپنی پسند کا یا تو خرید کرلیں یا
بنوالیں۔ روپیہ یہ حاضر ہے۔ اب جیسی مرضی سرکار کی۔"

"جی نہیں اس کی ضرورت نہیں رنگوایئے اپنی عنایت کو۔"

"کیا ناراض ہوگئیں۔"

"اور کیا۔ نہیں تو آپ سچے دل سے وعدہ کیجئے کہ اس طرح بے خبر نہ ہوجایا کریں گے آپ۔"

"بھلا میری مجال ہے۔ اچھا یہ تو سنبھالئے حضور۔"

"مگر ایک شرط پر...... کہ آپ اس کا تذکرہ امی جان سے نہ کریں۔"

"بالکل نہیں۔"

"کیونکہ وہ کسی کے ایسے تحفے لینا پسند نہیں کرتیں۔"

"اوہ۔ عرض تو کیا آپ اطمینان رکھیں۔" اس کے بعد کچھ خلوص ومحبت کی باتیں شروع ہوجاتی ہیں۔

یونیورسٹی گراؤنڈ کے باغیچے میں مختلف بنچوں پر وہ طلبا اور طالبات تفریح اور مطالعہ میں مصروف ہیں جن کا وہ پیریڈ خالی تھا کہ اتنے میں شہناز اپنی سہیلی نجمہ کے ساتھ آنکلی۔ اور ایک خالی بنچ پر بیٹھ جاتی ہے۔ نجمہ شہناز کو چھیڑتے ہوئے کہتی ہے

"رہنے دو بی بنّو۔ دل کا چور میں نے پکڑ لیا ہے۔"

"چل چل بڑی آئی چور پکڑنے والی۔"

"اچھا کہو گی ایمان چھوڑ کے۔ چھوٹے صاحب پر نظر نہیں ہے تمہاری۔"

"وہ کوئی لڈو پیڑے ہیں حلوہ ہیں کہ جن کی مٹھاس پر نظر ہو کسی کی۔"

"اری بڑے میٹھے۔"

"تو کیا چکھا ہے تم نے بی نجمہ۔"

"نا بابا! ۔عزیب ہیں مگر نیت سے خوار نہیں۔ہم پرائے مال پر تھوکتے بھی نہیں۔"

"ایسی ہی ہو۔"

"اچھا یہ تو کہو کہ وہ بھی کچھ متوجہ ہیں تمہاری طرف یا ایک طرفہ ہی بھڑک رہی ہے"

"چھوڑو یہ بیکار باتیں نجمہ ..... اگر کوئی بات ہوتی تو کیا میں یونین کے الکشن میں ان کے مقابلے پر کھڑی ہوتی۔"

"یہی تو گُر کی بات ہے۔کہیں دُنیا چور نہ پکڑ لے۔اس وقت ظاہر میں مخالف اور عین وقت پر دوسرے کو کامیاب کرانے کے لئے خود بیٹھ جائیں کسی بہانے سے۔"

"اچھا بابا زیادہ دماغ نہ چاٹو۔یوں ہی سہی ایک چیپٹر دیکھنا ہے اس کتاب کا۔ چلو ٹہلو۔"

"ہم تو نہیں جاتے کہیں۔"

"تم بیٹھو، میں جاتی ہوں۔یہ کہہ کر ایک دوسرے کنج کی طرف چلی جاتی ہے۔ایک نوجوان طالب علم جو کافی دیر سے للچائی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔وہ بھی اس کنج کی طرف راستہ کاٹ کر روانہ ہو جاتا ہے۔شہناز اس کنج میں ایک بنچ پر بیٹھ کر کتاب میں مشغول ہو جاتی ہے کہ وہی لڑکا بنچ کے عقب سے ایک جھاڑی سے ہاتھ بڑھا کر ایک پرچہ شہناز کی گود میں پھینک دیتا ہے۔یہ کچھ چونک کر پرچہ اُٹھا کر پڑھتی ہے۔جس میں لکھا ہے۔اس موہنی صورت کے ایک ہم بھی پجاری ہیں۔یہ منھ پھیر کر ادہر مخاطب ہوتی ہے۔"اوہ آپ ہیں مسٹر انور۔فرمایئے کیا حکم ہے میرے لئے۔"

"فرمانا کیا۔میں پوچھتا ہوں کہ آخر آپ کے سینے میں دل ہے یا کوئی پتھر۔"

"آپ کیا سمجھتے ہیں۔"

"سمجھتا کیا، کبھی سیدھے منھ بات ہی نہیں کرتیں آپ اس غریب سے۔"
"آخر آپ چاہتے کیا ہیں کھل کر صاف صاف بتائیں۔"
"آئی لو یو ڈارلنگ شہناز I love you darling Shehnaz
"از اٹ سو۔" Is it so
"بائی گاڈ۔" By god
"دین آئی لو یو ٹو" Then I love you too
"او مائی گڈ نیس دین۔" شہناز کا ہاتھ پکڑ کر۔ Oh my goodness ... then
"وہاٹ۔" What
"اونلی ون کس" Only one Kiss
"او کے O.K (یہ کہہ کر ایک زبردست چانٹا انور کے رخسار پر رسید کر دیتی ہے۔ کہ جھاڑیوں میں سے کئی لڑکے لڑکیاں آگے بڑھ کر دیل ڈن۔ گڈ شاٹ کا شور مچاتے ہیں۔ یہ آوازیں سن کر انور بھاگتا ہے اور شہناز کہتی ہے سنئے تو۔ کہاں چلے مسٹر انور۔
"آئی لو یو ٹو ون مور پلیز (میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ ایک اور جناب)
"یس ون مور" دوسرا لڑکا بولا۔ (ہاں ایک اور)
"ویری ساری۔ دین اینی آدر جنٹلمین۔" (بڑے افسوس کی بات ہے تب کوئی اور صاحب۔)
"معاف کیجئے، آپ کی محبت کو دور ہی سلام ہے بڑی باجی۔" (دوسرا کہتا ہے)
"مگر چھوٹے صاحب اس میدان سے ہٹنے والے نہیں۔ اباں لے لونا

تبرک تقسیم ہو رہا ہے۔ "

"پہلے آپ۔ بندہ اتنا انسلٹ پروف نہیں۔ "

" اچھا چلئے شہناز باجی ڈبیٹ کا ٹائم ہو چکا ہے۔ "

(سب لوگ ہنستے ہوئے عمارت کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔)

کلاس میں ایک ساتھی لڑکی کہتی ہے۔ " یہ کچھ اچھا نہ ہوا شہناز بہن۔ "

"کیوں کیا اچھا نہ ہوا۔ "

" الکشن میں یہ سارے لڑکے آپ کے خلاف ہو جائیں گے آپ کو کوئی ووٹ نہ دے گا۔ "

" نہ دیں ووٹ آخر اس بدتمیزی کا جواب اور کیا ہوتا۔ "

" رپورٹ کر دیتیں۔ "

" جن کے ہاتھوں میں دم نہیں اور دل میں ہمت نہیں ہوتی وہ دوسروں کے پاس فریاد لے کر جایا کرتے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد سب لوگ پروفیسر کے لکچر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ "

ایکبار۔ پھر ہم عبداللہ سیٹھ کی کوٹھی نشیمن میں داخل ہوتے ہیں۔ اس وقت دن کے ساڑھے بارہ بج چکے ہیں۔ دوسری منزل کے ایک خاص کمرہ میں اس وقت عبداللہ سیٹھ کے سامنے ایک مفلوک الحال ادھیڑ عمر کا شخص بیٹھا ہوا ہے جس سے وہ مخاطب ہیں "حقیقت یہی ہے میاں شبن خاں۔ ہمیں بڑا افسوس تھا کہ تم جیسا

بے گناہ شخص بلا وجہ جیل کی چار دیواری میں اپنی زندگی کے دن مشقت اور مصیبت میں گذارا کرے۔"

"آپ نے تو بندہ کو نئی زندگی عطا فرمائی ہے۔ سیٹھ صاحب آپ کی اس مہربانی نے تو بندہ بے دام بنا لیا ہے۔ اب جس خدمت کے قابل اس ناچیز کو سمجھا جائے۔"

"بھئی ہمیں کسی خدمت کی ضرورت نہیں۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے وہ اپنی زندگی اور اپنے مستقبل کے لئے۔"

"پھر جیسا حکم ہو میرے لئے۔"

"بھئی بات یہ ہے کہ ہمیں خاص ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سر مقصود نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے پولیس کو رشوت دے کر تمہیں عمر قید کے لئے جیل بھجوا دیا۔ ایک مجبور پر اتنا ظلم کہ وہ مسلسل اٹھارہ برس جیل کی مصیبتیں جھیلا کرے شریک جرم ہونے کی حیثیت سے اتنی سزا کافی ہو چکی تمہارے لئے۔ اب کیوں تم اپنی باقی زندگی کے دن اس مصیبت میں گذارو۔ جبکہ اصلی مجرم لوگوں کی نظر میں فرشتہ بن کر اطمینان سے چین کی بنسی بجاتا ہے۔ اس لئے ہم نے خاص اثرات سے کام کر تمہاری رہائی کے لئے کوشش کی اور حکومت کو یقین دلایا۔ کہ ملزم شبن خاں کی رہائی کے بعد کچھ اور دوسرے لوگوں کے جرائم بھی دنیا کے سامنے آجائیں گے چنانچہ صاحب گورنر کے حکم خاص سے تمہیں پروانہ رہائی مل گیا اور پھر ہم اگر ہم یہ کوشش نہ بھی کرتے تو دو سال کے بعد تو تمہیں بہرحال رہا ہونا ہی تھا۔

"کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں سیٹھ صاحب۔"

"شکریہ کی ضرورت نہیں یہ تو انسانی فرض تھا۔"

"بڑی تکلیف اٹھائی آپ نے مجھ غریب کیلئے۔ اچھا اب میرے لئے

"کیا حکم ہے۔"

"اب تم ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرو۔ تمہارے رہنے کے لئے ایک چھوٹی سی شاندار کاٹیج کا بندوبست کر دیا ہے۔ جس کو ضرورت کے تمام سامان سے آراستہ کر دیا گیا ہے۔ دو نوکر ایک چھوٹی فیاٹ گاڑی۔ تمہاری سواری کے لئے اور ان تمام مصارف کے علاوہ مبلغ ڈھائی سو ماہوار کا وظیفہ تمہاری ضروریات زندگی کے لئے۔ جبتک جیتے ہو۔"

"اوہ سیٹھ صاحب، آپ نے تو سچ مچ مجھے خرید لیا۔"

"اب تم اپنے آپ کو فوجی خدمات سے رٹائرڈ ایک میجر یا ڈاکٹر کی حیثیت سے سوسائٹی میں انٹروڈیوس کرا سکتے ہو اور ہاں یہ نام۔ شین خان...... بھی بدل ڈالو تو بہتر۔"

"جیسا حکم ہو۔"

"ہمارے خیال میں۔ میجر شوکت مناسب نام رہے گا۔ اب رہا دیگر ضروریات زندگی کے پورا کرنے کا سوال تو اس کے لئے تمہارے پاس ایک تگڑی آسامی سر مقصود کی موجود ہے تم اُن سے اپنے راز کی منہ مانگی قیمت ہر وقت وصول کر سکتے ہو اور نہایت دلیری اور بیباکی سے۔"

"اللہ حضور کو خوش رکھے۔ دیکھیئے نا یہ ہوئی میرے دل کی بات۔ آپ کے ان قدموں کی قسم سیٹھ صاحب اگر ننگی کا ناچ نہ نچا دیا ان سر صاحب کو تو پھر میرا نام شین خان..... ارے تو یہ میجر شوکت نہیں، اب ٹھر دیر برخوردار۔ اگر تمہارا سر مع خطاب جوتیوں میں تقسیم نہ کرایا تو بات ہی کیا۔ ہاں حضور اب دیکھیں تماشا جو ان کو دن میں تارے نظر آجائیں۔"

"اب تم ہمارے منیجر کے ساتھ لے کر سب سے پہلے اپنی کوٹھی پر پہنچو۔ نہا دھو کر

کپڑے بدلو۔ سب انتظام کر دیا گیا ہے اور انسانوں کے حلیہ میں آجاؤ۔

یہ گفتگو جاری ہے کہ ایک ملازم حاضر ہو کر سر مقصود کی آمد کی خبر دیتا ہے۔ جس پر سابق شبن خاں اور حال میجر شوکت کو وہاں سے ایک عقبی دروازے سے ایک ملازم کے ساتھ اپنے منیجر کے پاس روانہ کر دیتے ہیں۔ اور دوسرے نوکر کو سر مقصود کو بلانے کا حکم فرماتے ہیں...... رسمی دعا سلام کے بعد سر مقصود فرماتے ہیں کہ آپ کے حکم کے مطابق یہ کچھ شیئرز ہیں مختلف کمپنیوں اور ملوں کے جن کی قیمت دو لاکھ سے کچھ زیادہ کی ہے آپ ان کو زرِ ضمانت کے طور پر اپنی تحویل میں رکھ سکتے ہیں۔"

"جیسی آپ کی رائے ہو۔ ہاں اب یہ فرمائیں کتنی رقم کی ضرورت ہے۔"

"اور بھی کچھ ضروریات ہیں اس لئے پورا ایک لاکھ چاہیئے۔"

"بہتر یہ کاغذات آپ لالہ کروڑی مل کے حوالے کر دیں اور اُن سے روپیہ لے لیں کوئی دشواری یا تاخیر نہ ہوگی اور اگر آپ فرمائیں تو ہم فون کریں وہ یہ روپیہ لے کر خود آپ کے پاس حاضر ہو جائیں گے۔"

"یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ بہت بہت شکریہ، اجازت ہے۔"

سابقہ واقعات کو تین روز گذر چکے ہیں۔ صبح کا وقت ہے۔ سر مقصود اپنے خاص کمرے میں صوفے پر دراز ہیں کہ ملازم چائے ناشتہ لے کر حاضر ہوتا ہے۔ یہ ناشتے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اتنے میں دوسرا نوکر کمرے میں داخل ہو کر عرض کرتا ہے۔

"حضور ایک صاحب تشریف لائے ہیں نہ اپنا نام بتاتے ہیں نہ کام۔ عجب اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہیں۔"

"کون ہے اچھا بلا لو"، اس اجازت پر میجر شوکت یعنی کہ شیتن خاں پورے فوجی لباس میں بڑے ٹھاٹ باٹ سے کھٹ پٹ کرتے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ سر مقصود رسمی تعظیم کے لئے اٹھتے ہیں اور میجر صاحب بڑی بے تکلفی سے ہاتھ ملاتے ہوئے انھیں اپنے سینے سے لگا لیتے ہیں ــــ یہ کہتے ہوئے "آ پیارے ذرا کلیجے سے تو لگ جا۔ اوہ اٹھارہ برس کے بعد یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے دوست (ایک دھپ رسید کرتا ہے) سر مقصود حیرت سے اس کے منہ کو تکتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں، معاف کیجئے، میں نے آپ کو۔"

"پہچانا نہیں، خیر یہ تو مذاق ہوتا رہے گا۔ مگر دوست تم نے یہ عجیب بلڈاک قسم کے نوکر پال رکھے ہیں نہایت بدتمیز۔ کوئی ملنے کو آئے تو اپنا خاندانی شجرہ بھی ساتھ لائے۔ باپ دادا تک کا نام بھی بتائے تب کہیں جا کر اطلاع کی نوبت آئے (نوکر سے اے بھائی کھڑا اکھڑا کیا دیکھتا ہے۔ چائے تو ہمارے خیال میں ٹھنڈی ہو چکی ہوگی اس لئے اور تازی چائے دم کرا کر لاؤ۔ دم۔ اتنے ہم ناشتہ کرتے ہیں۔ ہاں ذرا جھپاک سے۔" یہ کہہ کر ناشتے پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور پوچھتے ہیں ہاں اب کہو دوست کیسے گذرتی ہے۔"

"شکر ہے مالک کا۔"

"اور کہو اب بھی بی شبنم سے محبت کی پینگیں بڑھتی ہیں یا استعفےٰ دے دیا۔ اب تو وہ بھی بڑھیا ہو گئی ہوگی۔"

"جی مگر میں نے واقعاً آپ کو نہیں پہچانا۔"

"ارے واہ یار بھول گئے وہ بچپن کا زمانہ جب ہم تم دونوں محلہ کی

مسجد میں حافظ میتا قصائی سے پڑھا کرتے تھے۔ اماں وہی جو سبق یاد نہ کرنے پر اتنا موٹا سونٹا پھیر اکرتا تھا تم پر اور جب ہم لوگ اسکول میں پڑھنے لگے تھے تو تم اپنی امّی جان کی چمپا کلی اور ہم اپنی نانی اماں کے بٹوے چرا کر ساتھ ساتھ گھر سے بھاگے تھے۔ اور پھر دلّی میں پیسہ ختم ہوجانے پر بنگش کے پل پر ہم دونوں آلو چھولے کی چاٹ اور گلاب ریوڑی کا خونچہ لگایا کرتے تھے۔"

"تم کوئی پاگل تو نہیں ہو جی۔"

"ارے پگلے، تو کیا سچ مچ پہچنوانا ہی پڑے گا معلوم ہوتا ہے کھوپڑی نیچ کر سر کا خطاب حاصل کیا ہے۔" تب ہی تو پرانے دوست کبھی یاد نہیں آتے بہتر تو کتاب زندگی کے پچھلے اٹھارہ ورق الٹ جاؤ۔ برخوردار، گاؤں کے ایک کچے راستے کے کنارے ایک اندھیری رات میں کچھ شریف شکاری جھاڑیوں میں چھپے، بندوق چھتیائے اپنے بے خبر اور بھولے شکار کا انتظار کرتے ہیں۔ پیش آنے والے ناگہانی حادثے سے بے فکر شکار ادھر سے گذرتا ہے۔ بندوقوں کے دنّاٹے کی آواز کے ساتھ زخمی کی نکلتی ہوئی چیخ جنگل کی خاموشی اور سنّاٹے کو توڑ دیتی ہے۔ جنگل گونج اٹھتا ہے اور بے گناہ غریب مسعود اپنے پیارے بھائی مقصود کی گولی کا نشانہ بن کر خاک و خون میں۔"

"کون شبّن تم۔"

"یس سر دی سیم ہمبل سرونٹ۔ می لارڈ (می لارڈ آپ کا وہی پرانا خادم) آپ کا پرانا رفیق کار۔ آپ کے جرموں کا شریک۔ آپ کا چہیتا راز دار"

"لیکن تمہیں تو عمر قید۔"

"جی ہاں، کرائی گئی تھی اور پولیس کو روپیہ دے کر۔ اسی احسان کا تو شکریہ ادا کرنے حاضر ہوا ہوں۔"

"پولیس کو کیوں بدنام کرتے ہو۔ ہمیں کیوں ملزم گردانتے ہو۔قانون اور انصاف کی نظر میں تم مجرم ثابت ہوئے تو اس میں قصور کس کا۔"

"بجا ارشاد ہوا۔لیکن اب وقت آگیا ہے۔ کہ اس اندھے قانون اور اپاہج انصاف کی آنکھیں کھول دی جائیں۔ فیصلہ کرنے والے منصف کے ہاتھ کو پھر حرکت میں لایا جائے۔ اور پورے ثبوت کے ساتھ تاکہ اصلی مجرم کو قانون کے حوالے کیا جا سکے۔"

"دھمکی دیتے ہو۔"

"بھلا میری مجال ہے دوست، یہ تو ایک بے گناہ کا خون ہے جو اندھے قانون اور سوئے ہوئے انصاف کو جگاتے کے لئے رنگ لانے پر تیار ہے۔"

"تو یہ بھی نہ بھولو کہ جرم میں تم بھی برابر کے شریک گردانے جاؤ گے۔"

"درست۔ تو یہ اٹھارہ برس جو سسرال میں مہمان رہ کر آئے ہیں میاں تسّبن خان، کیا گھاٹے میں جائیں گے۔ یہ اٹھارہ برس اور مشقت کی سزا۔ اور پھر گواہ سرکار بن جانے کے بعد تو کوئی بات ہی نہیں رہ جاتی خطرہ کی۔ آیا خیال شریف میں۔"

"آخر ان باتوں سے تمہارا مطلب کیا ہے۔ صاف صاف کہہ ڈالو نا۔"

"اب آئے سیدھے راستہ پر تو سنو دوست۔ جیل سے چھوٹنے کے بعد اب باقی زندگی آرام اور اطمینان سے باعزت طور پر گذارنے کے لئے کوئی معقول بندوبست بس اور کیا۔"

"بہتر تو تمہیں سو روپے ماہوار زندگی بھر گذارے کے لئے ملتا رہے گا۔ بس جاؤ۔"

"اوہو۔ تم تو حاتم کی قبر پر لات مارنے کو تیار ہو گئے۔ یہ مارواڑی کب سے بن گئے دوست۔ بھلا سو روپلی میں کیا بنتا ہے اس ہنگائی کے زمانہ میں

جیل کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد اب مجھے زیادہ آرام کے ساتھ زندگی گذارنے کی سخت ضرورت ہے۔ پھر اگر رئیسانہ حیثیت نہ ہو تو اوسط درجہ کی شریف انسان کی سی زندگی گذارنے کے لئے یکمشت رقم کے علاوہ ماہانہ مصارف کے لئے ایک معقول وظیفے کی ضرورت ہے۔"

"تو اور کیا چاہتے ہو۔"

"کچھ زیادہ نہیں۔ فی الحال تو ایک مکان۔ اس کا سامان اور دیگر ضروریات کے لئے صرف دس ہزار کی معمولی سی رقم۔ اور پھر کم از کم پانچسو روپے ماہوار کا گذارا۔ بس اور کیا۔"

"یہ سب کچھ ناممکن ہے۔ تم اس وقت بھی کافی رقم حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے جو کچھ ہم نے فیصلہ کیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔"

"بس کی بات تو دو لفظوں میں آسان ہوتی ہے سر صاحب۔ یہ دولت۔ یہ جائداد اور یہ بے ایمانی سے حاصل کیا ہوا ٹھاٹ باٹ۔ ساتھ لے جانے والی چیزیں نہیں جن پر موتی جیسی آبرو اور جان کی قربانی پر تیار ہونے کا ارادہ ہے۔ اوہ۔ کتنا دلچسپ سماں ہوگا یہ بھی۔ جب سر مقصود رئیس اعظم لکھنؤ، ہتکڑی بیڑی سے آراستہ مسلح پولیس کے جلوس کے ساتھ بازاروں سے گذرتے ہوں گے۔ اور لوگ کہتے ہوں گے، لو بھئی دیکھ لو۔ یہ رہا وہ بھائی کا بے درد قاتل یہی ہے وہ نوتی شریف بدمعاش۔"

"اچھا بند کر دیہ بکواس۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ تم ہزار دو ہزار تک یکمشت لیجاؤ اور پھر کبھی ادھر کا رُخ بھی نہ کرو۔"

"ارے واہ کلیجے۔ یہ بھی خوب کہی۔ ہم تو جہنم کے پھاٹک تک بھی تمہارا

تمہارا ساتھ چھوڑنے والے نہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے سہ "ہم نہ چھوڑیں گے تمہیں چاہے زمانہ چھوڑ دے۔" اس لئے حضور پر نور۔ سراپا جود۔ حضرت سر مقصود کی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے کہ جو کچھ اس پرانے خادم کا مطالبہ ہے از راہِ کرم گستری و بندہ پروری۔ اس کو فیاضانہ طور پر پورا کر دیا جائے۔ ورنہ شکایت معاف اگر گڑے مردے اُکھاڑنے کی نوبت آ گئی۔"

غرضکہ اس قسم کی بحث اور ردّ و بدل کے بعد سر مقصود دس ہزار کا چک لکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور شبن خاں ایک کامیاب اور فاتح کمانڈر کی طرح بیحد شوکت بنے ہوئے مونچھوں کو تاؤ دیتے یہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور سر مقصود ایک بھیانک خیال کے ماتحت آنکھیں بند کر کے صوفے پر دراز ہو جاتے ہیں گو آرام کا وقت نہیں۔ پھر بھی کچھ کروٹیں بدلنے کے بعد سو جاتے ہیں۔

قریب آتا ہے روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

یہ سچ ہے کہ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ دیر ہو سکتی ہے اس کے یہاں اندھیر نہیں۔ آج سیشن کورٹ میں اٹھارہ سال قبل کے ایک واقعہ قتل کا مجرم گرفتار ہو کر اپنی زندگی کا آخری فیصلہ سننے کے لئے پیش ہے اور پھر مجرم بھی کون نہایت ذی عزت جس کی نیکی شرافت و سخاوت کے قصے آج دنیا کی زبان پر ہیں۔ کون وہی سر مقصود۔ تماشائیوں کی کثرت سے عدالتی کمرے میں تل دھرنے

کی جگہ نہیں۔ مقدمہ کی ساری کارروائی ختم ہو چکی ہے۔ جیوری اپنا فیصلہ صادر کر چکی ہے۔ اور اب سرشتہ دار۔ عدالت سیشن جج صاحب کے فیصلے کا جو انگریزی میں لکھا ہوا ہے پڑھ کر سنا رہا ہے۔

"عدالت پر ثابت ہو چکا ہے کہ ملزم سر مقصود نے عیاشی اور آوارگی میں اپنے حصہ کی جائداد برباد کرنے کے بعد اپنے بڑے بھائی مسعود میاں کی جائداد پر قبضہ حاصل کرنے کی غرض سے قتلِ عمد کا جرم کیا۔ ایک رات جبکہ میاں مسعود اپنے گھوڑے پر سوار۔ بڑے اطمینان کے ساتھ شہر سے اپنی گاؤں والی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔ تو مجرم میاں مقصود نے اور چند بدمعاشوں کے ساتھ مل کر بے گناہ اور نیک دل مسعود میاں کو اپنی بندوق کی گولیوں کا نشانہ بنا ڈالا۔ جیوری بھی اس حقیقت سے متفق ہے۔ اس لئے عدالت عالیہ ملزم مقصود کے لئے حسبِ دفعہ ۳۰۲ تعزیراتِ ہند قتلِ عمد کے جرم میں سزائے موت تجویز کرتی ہے۔"

فیصلہ کے آخری الفاظ سن کر میاں مقصود جیسا باہمت شخص چیختا ہے نہیں، نہیں، میں بے گناہ ہوں۔ بے قصور ہوں۔ میں قاتل نہیں۔ اُن کا قاتل تو اُن کا نوکر مبارک ہے۔ یا وہ ڈاکو جو...... اتنا کہہ کر آواز گلوگیر ہو جاتی ہے۔ اور جج کے اشارے پر سپاہی مجرم کو کشاں کشاں باہر لیجاتے ہیں۔

ملزم کی شہرت اور عزت کے خیال سے یا نہ جانے کیوں بیڑی نہیں پہنائی گئی ہے۔ عدالت کی اونچی سیڑھیوں سے اُترتے ہوئے ملزم ہمت سے کام لے کر ہتکڑی بند ہاتھوں کی ضرب سے محافظ سپاہی کو زخمی کر کے چھوٹ بھاگتا ہے اور ہر طرف سے شور مچ جاتا ہے کہ لینا پکڑنا۔ ملزم ہے۔ خونی کو پکڑو تمام مجمع پیچھا کرتا ہے اور ملزم بچاؤ کا کوئی راستہ نہ پا کر قریب کی ایک عمارت میں داخل ہو کر اس کی بالائی منزل پر پہنچتا ہے پولیس تعاقب کرتی ہے۔ جہاں تک عمارتوں کی چھتوں کا سلسلہ

موقع بہم پہنچاتا ہے۔ ملزم تیزی سے کودتا پھاندتا آگے بڑھتا ہے۔ آخر ایک مقام پر درمیان میں ایک تنگ کوچہ حائل ہونے کی وجہ سے ملزم کی ساری کوشش ملیامیٹ ہو کر رہجاتی ہیں اور جان بچانے کی آخری کوشش کو وہ یوں مکمل کرنا چاہتا ہے کہ زقند بھر کر اس چھت سے دوسری چھت پر کوچہ پار کر کے پہنچ جائے۔ چنانچہ ابھی یہ اسی ارادے سے کندھے تولتے ہی رہ جاتا ہے۔ کہ پولیس کی ایک گولی اس کی امیدوں کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اور ملزم ایک دردناک چیخ کے ساتھ تیسری منزل سے کوچہ کے سنگی فرش پر آگرتا ہے۔ فرش سے ٹکرانے پر دوسری چیخ اور زیادہ خوفناک بلند ہوتی ہے اور سر مقصود صوفے سے کمرے کے قالین پر آرہتے ہیں اور اُن کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ یہ سب ایک بھیانک خواب تھا جس کے تصورات کا ہولناک خاکہ شبن خاں کی ملاقات نے سر مقصود کے دل و دماغ پر ثبت کیا تھا۔ ان کی چیخ سنتے ہی ان کی بیوی رضیہ گھبرائی ہوئی کمرہ میں داخل ہوتی ہے۔ یہ کہتی ہوئی "کیوں خیر تو ہے"

"کچھ نہیں۔۔۔۔ سب خیر ہے ابھی تک تو۔ ایک بھیانک خواب دیکھا ہے۔"

"میں بھی تو ڈر گئی۔ اللہ کی امان۔ کیا خواب دیکھا آپ نے"

"یہ سب کچھ نہ پوچھو۔ خواب ہی نہیں ایک خطرناک خیال نے خواب کی صورت اختیار کر لی تھی اور کیا۔ اس واقعہ قتل کا ایک شریک کار مجرم ابھی ایک گھنٹہ ہوا ہے اٹھارہ برس کی جیل کاٹ کر یہاں آیا تھا وہ دھمکی دے کر دس ہزار کی رقم ہی جھپٹ لے گیا ہے۔ اس کمبخت کی باتیں اس درجہ ہولناک تھیں کہ جن کے خیال سے ہی جی لرزتا ہے۔ وہی خیالات دماغ پر چھائے ہوئے تھے کہ ہم سو گئے اور انہیں روح فرسا خیالات نے خواب کی صورت اختیار کر لی۔"

"وہ خیالات کیا تھے۔ یا خواب۔"

"کیا بیان کروں

"یہی کہ جرم ثابت ہو چکا ہے اور ہمارے لئے سزائے موت تجویز کی گئی ہے
"اللہ کی امان ۔ پیر پیغمبروں کا سایہ ۔ ایسے خیالات کو دماغ میں جگہ دینے کی ضرورت ہی کیا ہے ۔ چلئے کھانا کھا لیجئے ۔"

"ابھی سے ۔"

"جی ہاں ۔ باتوں میں ذرا دل بہلے گا ۔ شہناز بھی آتی ہی ہوگی ۔

"امی جان ۔"

"اے بڑی عمر ہو گی ۔ ابھی نام لیا اور تم سامنے موجود ۔ جلدی سے ہاتھ منھ دھو ڈالو ۔ پھر آجاؤ کھانے پر ۔"

"ابھی ساڑھے بارہ بجے ہیں ۔ آدھ گھنٹہ لگ جائے گا ضروریات سے فارغ ہوتے ۔"

"کوئی بات نہیں ہے ، تم اطمینان سے اپنا کام کرو ایسی کوئی جلدی نہیں ہے ۔ اتنے میں ایک خادم عبداللہ سیٹھ کی آمد کی خبر دیتا ہے ۔ جس کو فوراً ہی بلا لیا جاتا ہے اور ماں بیٹی زنانے حصے کی طرف چلی جاتی ہیں ۔"

"آیئے آداب عرض سیٹھ صاحب ۔"

"آداب عرض ہے ۔ کیوں خیریت تو ہے مزاج کیسا ہے ۔"

"جی ٹھیک ہوں کوئی بات نہیں ۔"

"معاف کیجیے ، کئی بار آپ سے ایک بات پوچھنے کا ارادہ کیا ، مگر

"وہ کیا ؟"

"یہی کہ اکثر اوقات آپ سے اس کمرے میں جب بھی ملاقات ہوئی آپ کو انتہائی افسردہ اور غمزدہ سا پایا ۔"

"آہ سیٹھ صاحب دل کے پرانے زخم کو کریدنے سے کیا فائدہ ۔"

"ہیں آپ تو رو رہے ہیں۔"

"اکثر رو یا کرتا ہوں۔"

"یہ کیوں اور کس لئے۔"

"اپنے بڑے مرحوم بھائی کے لئے۔"

"کتنا عرصہ ہوا ان کے انتقال کو جن کا غم آج تک آپ کو...."

"یوں اُن کے انتقال کو تو اُنیس بیس سال ہو گئے، مگر جن حالات میں ان مرحوم کا انتقال ہوا۔ وہ بڑے دردناک تھے۔"

"کیوں کسی حادثے کا شکار ہوئے تھے کیا۔"

"حادثہ بھی کچھ ایسا ویسا۔ وہ مرحوم گاؤں والی کوٹھی میں رہا کرتے تھے کہ ایک روز ڈاکہ پڑا اور مال و دولت کے ساتھ ساتھ ان کا سرمایہ حیات ہی وہ ڈاکو لے گئے۔"

"اوہ، یہ قیامت ہوئی۔"

"جی ہاں، ان کا ایک تین ساڑھے تین سال کا ایک بچہ بھی تھا، جس کا اس واقعہ کے بعد کوئی پتہ نہ چلا۔"

"ایسے کام تو سازش سے ہوا کرتے ہیں۔"

"جی ہاں اُن کا ایک بڑے اعتبار کا خاص نوکر تھا۔ مبارک، اس نے ڈاکوؤں سے مل کر یہ قیامت ڈھائی۔"

"تو پھر وہ نوکر کیا نام مبارک یا وہ ڈاکو گرفتار نہیں ہوئے۔"

"یہی تو افسوس ہے کہ ان مرحوم کی جان بھی گئی اور قاتل سزایاب بھی نہیں ہوئے۔

"تو اس سے کیا۔ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ آپ یقین رکھئے کہ اگر

لیکن انصاف اور قانون کے نیچے قاتل اب تک آزاد ہیں لیکن قدرت اُن کو جھنجھوڑ جھنجوڑ کر سِسکا سِسکا کر، تڑپا تڑپا کر ہلاک کر رہی ہوگی۔ ان کی زندگیاں ان پر موت سے بدتر اور سخت گذر رہی ہوں گی۔ اور آخر ایک دن ضرور ایسا آئے گا کہ بے گناہ کا خون رنگ لائے گا اور قاتل اپنے کئے کی انتہائی ذلّت اور نامرادی سے سزا پائے۔ خیر چھوڑیئے اس قصّہ کو۔ فرمایئے کیا وہ گروڑی مل والا کام ہوگیا۔"

"جی ہاں۔ بھلا آپ کا انتظام کہیں ناقص ہو سکتا ہے۔"

"اور کہیئے کیا حالات ہیں۔ اس وقت میں اس طرف سے گذر رہا تھا خیال آیا کہ آپ سے ملتا چلوں۔"

"بڑی عنایت آپ کی۔"

"اور ہاں بی شہناز کی اسٹڈی کا کیا حال ہے ان کو ایک عرصہ سے دیکھا بھی نہیں"

"وہ ابھی کالج سے آئی ہیں۔ بلواتا ہوں۔ (گھنٹی بجا کر نوکر سے شہناز کے بلانے کے لئے حکم ہوتا ہے۔"

"سنا ہے کہ اس سال وہ یونیورسٹی یونین کا الکشن لڑ رہی ہیں۔"

"سنا تو ہے۔"

"اور مقابلہ ہے ہمارے چھوٹے صاحب سے۔"

"ایں۔ چھوٹے صاحب کے مقابلہ میں وہ الکشن لڑے ایسا ہرگز نہیں ہوتا بھلا ہمارے تعلقات ایسے ہیں کہ۔"

"بچے اتنی گہرائیوں تک کہاں جاتے ہیں۔"

"ہم اسی سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیا حرکت ہے۔"

"حرکت کا جواب حرکت ــ جب چھوٹے صاحب شہناز کا لحاظ نہیں کرتے

تو پھر شہناز بھی ان کا لحاظ کیوں کریں۔ انصاف کی بات تو یہ ہے۔"

"ہم لوگ آپ کے ممنونِ احسان ہیں۔ اسلئے بھی۔"

"محبت اور احسانات کا سودا نہیں ہوا کرتا مقصود صاحب۔"

"ابا جان (آواز)

"آؤ، آؤ، دیکھو یہ تمہارے چچا جان آئے ہوئے ہیں۔ تمہیں یاد کر رہے ہیں۔"

شہناز سامنے آکر آداب بجالاتی ہے۔ سیٹھ صاحب دعا دیتے ہیں مقصود کہتے ہیں۔

"اور ہاں بیٹیا شہناز۔ یہ تو بتاؤ کہ یونین کے الکشن میں تمہارا مقابلہ کس کس سے ہے۔"

"مقابلہ کیسا، یہ تو اپنی اپنی قسمت آزمائی ہے۔"

"یہ ہے معقول جواب (عبداللہ سیٹھ نے کہا)

"پھر بھی اور کون کون کنڈیڈیٹ ہیں۔"

"ایک تو ہیں مسٹر باہین اور دوسرے ہیں آپ کے چھوٹے صاحب۔"

" واہ گھر کے گھر میں مقابلہ۔ تمہیں معلوم نہیں کہ سیٹھ صاحب کے ہمپر کتنے احسانات ہیں۔"

"تو پھر میرے لئے جیسا حکم ہو۔"

"بھئی مقصود صاحب، یہ تو اپنی اپنی قسمت آزمائی کا معاملہ ہے، کوئی لڑائی جھگڑا تو ہے نہیں۔"

"نہیں نہیں چچا جان میں اپنی اس فرد گذاشت اور جسارت کی معافی چاہتی ہوں، میں اپنا نام واپس لے لوں گی۔

"لیکن سنو تو سہی۔"

"بس یہی ٹھیک ہے، تم اپنا نام واپس لے لو۔" سر مقصود نے فرمایا۔

"اگر ایسا ہی کرنا ہے تو پھر ابھی نام واپس لینے کی ضرورت نہیں۔ الکشن اسٹنٹ کا تقاضا یہ ہے کہ عین وقت پر اپنے فیورٹ آپ نے فیورٹ کی طرف بھیجد یئے جائیں۔ اور خود دست برداری دے دیں۔"

"آپ جیسا مناسب خیال فرمائیں۔"

"اور کہو، امتحان کی تیاریوں کا کیا حال ہے۔"

"محنت تو کر رہی ہوں۔"

"ہم کئی بار ان سے کہہ چکے ہیں کہ بٹیا تم اپنے کسی پروفیسر کا ٹیوشن لے لو۔ مگر یہ سنتی ہی نہیں۔ ٹیوشن سے بہتر تو یہ ہے کہ ان کی کمبائنڈ اسٹڈی کا کچھ بندوبست ہو جائے۔ مگر ساتھ والی کوئی لڑکی اس قابل نہیں جس کو۔۔۔"

"تو پھر لڑکوں میں سے کسی نیک طینت نوجوان کو ساتھی بنا ڈالو اسٹڈی کے لئے۔" عبداللہ سیٹھ نے اپنی رائے پیش کی۔

"ہاں، ہاں اس میں ہرج کیا ہے۔ میرے خیال میں اگر چھوٹے صاحب تیار ہو جائیں۔ تو بہت اچھا ہو، وہ ہر طرح قابلِ اطمینان ہیں۔" سر مقصود نے کہا۔

"جس پر عبداللہ سیٹھ نے فرمایا۔ "چھوٹے صاحب بھی آپ کے فرزند ہیں۔ انہیں کب انکار ہو سکتا ہے ہم کہدیں گے اُن سے۔ وہ چلے آیا کرینگے مگر تم تو بتاؤ بٹیا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ ان کے ساتھ اسٹڈی پر تیار ہو"

"مجھے اپنے کام سے کام چچا جان ـــــ چھوٹے صاحب بڑے شریف اور لائق نوجوان ہیں۔ یہ تو میں جانتی ہوں۔"

"تو بس یہی فیصلہ ہے۔ آج ہم اُن سے کہے دیتے ہیں۔ اچھا رخصت۔"

سابقہ واقعات کو دو ہفتے گزر چکے ہیں۔ اس دوران میں عبداللہ سیٹھ کی ہدایت کے مطابق چھوٹے صاحب شہناز کے ہاں اسٹڈی کے لئے باقاعدہ طور پر آنے جانے لگے ہیں۔ ادہر یونیورسٹی یونین کے انتخاب میں شہناز نے اپنا نام واپس لے کر چھوٹے صاحب کے الکشن کے متعلق اس درجہ کوشش کی ہے کہ وہ صدر یونین منتخب ہو چکے ہیں۔ شہناز کے اس جذبۂ ایثار و قربانی کا چھوٹے صاحب کے دل پہ بڑا گہرا نقش قائم ہو جاتا ہے۔ اور اب وہ شہناز میں ایک کشش خاص محسوس کرنے لگتے ہیں۔ بے تکلفی دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ اور مغائرت کے پردے آہستگی سے اُٹھنے لگتے ہیں۔ اب نو اسٹڈی کے لئے گھر کی بھی قید نہیں۔ جس طرف جی چاہا گاڑی دوڑا دی۔ کبھی گومتی کے کنارے کسی سرسبز خطے میں۔ کبھی میوزیم کمپاؤنڈ میں کبھی بندریا باغ تو کبھی چھتر منزل۔ تو کہیں کسی اور پارک میں۔ خوش دلی کے ساتھ وقت گزاری ہوتی ہے۔ اب محبت کی چنگاری آزادی کی ہوا پاکر کچھ دہکنے لگی ہے۔ اگرچہ اس وقت تک کسی طرف سے اظہارِ محبت نہیں کیا گیا ہے۔ ادہر سر مقصود بھی بہت خوش ہیں۔ اس خیال کے ماتحت کہ چلو اچھا ہے کہ اگر ان دونوں کی محبت بڑھ جائے اور شہناز کی شادی چھوٹے صاحب کے ساتھ ہو جائے تو پھر کیا کہنا۔"

ایک روز سر مقصود اسی معاملۂ خاص پر اپنی بیگم رضیہ سے تبادلۂ خیال میں مصروف ہیں کہ میجر شوکت بلائے بے درماں کی صورت میں نازل ہوتے ہیں۔ رضیہ محل کے

دوسرے حصّہ کی طرف چلی جاتی ہے اور میجر شوکت صاحب یعنی کہ شبّن میاں کو
بُلا لیا جاتا ہے۔ جو نہایت سراسیمگی کی حالت میں کمرہ میں داخل ہوتے ہیں اور ایک
مصیبت زدہ فریادی کی حیثیت میں۔ کہ۔ ارے میرے دوست خدا کے لئے مجھے سنبھالو
میں لٹ گیا۔ غارت ہوگیا۔ برباد کر دیا گیا۔"

جس پر سر مقصود حیرت سے پوچھتے ہیں "خیر تو ہے کیا معاملہ ہے۔"

"معاملہ پوچھتے ہو۔ اُف میرا خون کھول رہا ہے۔ اس خبیث کمینے کی اتنی
ہمت ۔ نہ ہوا اس وقت میرے سامنے جو خون ہی پی جاتا اس مردود کا، تمہاری
جان کی قسم دوست۔"

"آخر اس بکواس کا مطلب۔"

"بکواس کہتے ہو، یہی دوستی ہے۔ خدا دشمن کو بھی یہ دن نہ دکھائے
للّٰہ میری مدد کرو آنریبل سر مقصود۔ ورنہ یہ نامراد دل۔ سینہ چیر کر دا ک
آوٹ پر تیار ہے۔"

"مگر ہوا کیا۔"

"ہونا کیا تھا۔ ادھر ہم تو گئے جیل یاترا کو۔ ادھر اس چھٹّن خاں نے
ڈربہ خالی پاکر، میری بھولی بھالی بیوی کو بہلا پھسلا کر یہ یقین دلاتے ہوئے کہ
شبّن تو عمر قید میں پڑے ہیں۔ اس زندگی میں لوٹ کر آنے والے نہیں۔ اور نہ
جانے کیا کیا سبز باغ دکھا کر اُسے آسانی سے پھسا لیا اور اپنا گھر بسا لیا۔ اب
جو ہم آکر دیکھتے ہیں، تو میدان صاف۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"لعنت بھیجو۔ کہیں کوئی اور بیوی ڈھونڈ لو۔"

"یہ آپ فرماتے ہیں۔ بھلا اپنی اکلوتی بیوی کو بھی کوئی چھوڑتا ہے۔
میں ٹھہرا پٹھان آدمی، خدا کی قسم اپنی اور اس کی ایک جان کر دوں گا۔ اور میں

چھوڑ بھی دیتا اس بے فکرے کو۔ مگر اب جبکہ وہ ماشاء اللہ اتنے عرصہ میں سات آٹھ بچوں کی ماں بن چکی ہے کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔ بتاؤ ۔"

"مگر ان بچوں پر تمہارا کیا حق ۔"

"کیا کہتے۔ یہ کہاں کا قانون ہے۔ زمین ہماری اور فصل یاروں کی۔ بیوی ہماری تو اس کے بچے کس کے ۔"

"لیکن جھگڑا بڑھانے سے کیا فائدہ ۔"

"جھگڑے کی تو خود میری عادت نہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ بغیر جھگڑے کے دس بارہ ہزار میں معاملہ پٹتا ہے۔ مع بچوں کے۔ اب جیسی رائے ہو ۔"

"تو پھر طے کر ڈالو۔ بات ہی کیا ہے ۔"

"اللہ آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، پیارے دوست تو بس لکھ دو ایک ۔"

"کیا لکھ دوں ۔"

"وہی CHEQUE ۔ یعنی کہ ایک چک صرف دس ہزار کا۔ واللہ میری نسلیں دعائیں دیں گی پیر مقصود کو ۔"

"اب یہ راگ کہیں اور جا کر چھیڑو۔ کیا خوب قصّہ گڑھ کر لائے ہو۔"

"قصہ۔ تو کیا ہم جھوٹ بول رہے ہیں ۔"

"سراسر۔ تمہاری شادی ہی کب ہوئی تھی کنوارے تو جیل گئے تھے ۔"

"اجی، میری تو کیا، میرے ابا جان کی بھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ یہ کیوں نہیں کہتے ۔....."

"خیر کچھ بھی ہو۔ اب ہم سے کوڑی کی بھی امید نہ رکھو ۔"

"مقصود صاحب یہ کوڑیاں جمع کرو، جمعرات کے فقیروں کے لئے۔ ہم

کوئی خیرات نہیں مانگتے۔"

"کیا کوئی قرضہ چھوڑ گئے تھے ہم پر"

"جی۔ بھول گئے قرضہ کو۔ یاد دلانا پڑے گا۔"

"بھئی کیوں پریشان کرتے ہو شبن۔"

"تو باپ کا لو۔ گھسیٹ دو چار حرف۔ پھر کاہے کی پریشانی۔"

"آج کل بینک بیلنس میں مشکل سے ہزار پانچسو روپیہ پڑا ہوگا۔"

"تو پھر ایسا کرو۔ سادے چیک پر دستخط کر دو۔ وہاں بینک بیلنس دیکھ کر رقم بھر دی جائے گی۔"

"بدمعاش۔"

"ارے تمہارے انہیں محبت بھرے جملوں کو تو ہم ترسا کرتے تھے۔ دوست۔ چلو جلدی کرو۔ کونسی دراز میں ہے۔ چیک بک میں نکال دوں۔ وقت کم کام زیادہ۔ کہیں دیر کرنے میں ایسا نہ ہو کہ وہ دس ہزار کی جگہ پندرہ مانگنے لگے۔"

"اچھا کل آؤ تو ہم دیکھیں گے کہ کیا دے سکتے ہیں۔"

"جی نہیں۔ کل کس نے دیکھی ہے۔ جانے کس راجہ کا راج۔ اگر کہیں راتوں رات وہ میری بیگم کو لے کر کسی اور طرف کھسک گیا تو میں کیا سمیٹوں گا۔"

المختصر۔ اس قسم کی چالبازیوں اور بہانوں سے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ تھوڑے ہی عرصہ میں شبن خاں مرمقصود سے تیس چالیس ہزار کی رقم گھسیٹ لیتا ہے۔ وہ غریب عاجز آچکے ہیں۔ شبن خاں کی صورت اب ان کے لئے فرشتۂ اجل سے کم ہولناک نہیں۔

نشیمن کے ایک کمرہ میں عبداللہ سیٹھ اپنے منیجر زبیری سے مخاطب ہیں۔ وہ ان کے سر مقصود کے لڑکے کو تو جانتے ہوگے۔ دو ایکبار چھوٹے صاحب کے پاس بھی آیا ہے، جس کا نام مشہود ہے۔"

"جی ہاں۔"

"اس کو ہے آج کل روپے کی سخت ضرورت، اور سر مقصود کا حال یہ ہے کہ وہ کوڑی کوڑی دانت سے پکڑتے ہیں۔ بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ نوجوان بیٹا اور پھر شاہ خرچ۔ پیسے پیسے کے لئے پریشان پھرے۔ اس لئے تم کسی سے ضمانت دلوا کر کروڑی مل سے یا کسی اور سے روپیہ اپنے طور پر قرض دلا دو۔ مناسب شرح سود پہ۔ اس معاملے میں ہمارے کسی تذکرہ کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مگر حضور، بڑا سوال ضمانت کا ہے۔"

"ضمانت کے لئے اس کی لاکھوں کی جائداد کیا ناکافی ہے۔ بالغ ہے موروثی جائداد پر اس کا حق ہے۔ تم جلد سے جلد اس غریب کی مشکل آسان کرا دو۔"

"جیسا حکم ہو میرے لئے۔"

اتنے میں میجر شوکت نازل ہو جاتے ہیں۔ منیجر کو رخصت کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر کچھ خفیہ اسکیموں پر آہستگی سے تبادلہ خیال ہوتا ہے اور آخر میں عبداللہ سیٹھ یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ اب تم جلد سے جلد شبنم سے تعلقات بڑھانے کی کوشش کرو۔ یہاں تو یہ گفتگو جاری ہے اور اس طرف نشیمن کی تیسری منزل پر چھوٹے صاحب کے پاس میاں مشہود تشریف فرما ہیں۔ جن کا اصرار ہے کہ مس نسیم کی سالگرہ کے جشن میں ضرور شرکت کی جائے۔ جبکہ انہوں نے خاص طور پر آپ کو دعوت دی ہے

جس پر چھوٹے صاحب کہتے ہیں کہ مسٹر مشہود سوچیے تو سہی۔ آخر کوئی ٹک بھی ہے
جان نہ پہچان۔"

"جاننے کی بھی خوب ہوئی۔ میں انھیں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ یوں گھر
میں بیٹھے بیٹھے تو تعلقات قائم نہیں ہو سکتے۔ آپ نے تو لڑکیوں کو بھی شرما دیا۔"

"مگر مجھے ایسے جلسوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"لیکن میں تو وعدہ کر چکا ہوں۔ آپ کو ضرور چلنا ہوگا۔ واللہ مزا آ جائے
گا۔ اعلیٰ سوسائٹی کے بہتر سے بہتر لوگ۔ بہترین تفریح۔ ہنسی، مذاق۔ قہقہے۔ راگ
رنگ اور پھر ان سب پر طرہ مس نسیم کی قیامت خیز جوانی۔ آنکھیں کھل جائیں گی
حضور۔"

"خوب۔ مگر یہ تو بتائیے کہ آپ نے یہ پیشہ کب سے اختیار کر لیا۔ ڈیر مشہود"

"کونسا پیشہ"

"طوائفوں کی دلالی کا۔"

"چھوٹے صاحب۔ اگر آپ کی جگہ اور کوئی ایسا فقرہ کہتا تو نہ جانے
کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ مگر میں آپ کی بات کا خیال نہیں کرتا۔ بہر طور جبکہ آپ
مجھے دلال بنا ہی چکے ہیں تو آپ کو ہر قیمت پر لیجاؤں گا۔"

"اگر میں اپنے انکار پر قائم رہوں تو۔"

"تو پھر ہمارے آپ کے تمام تعلقات ختم۔ اور کیا۔ اچھا اب بیکار
وقت خراب نہ کریں۔"

"مگر بغیر چچا جان کی اجازت کے۔"

"پھر وہی۔ چھوٹے صاحب آپ کو میری جان کی قسم۔ بس اٹھئے۔ نہیں
تو وہاں میری بڑی طرح بے توقیری ہو جائے گی۔"

غرضکہ اس طرح کی خوشامد درآمد سے مشہود میاں چھوٹے صاحب کو آمادہ کر ہی لیتے ہیں۔"

آج بی شبنم کی کوٹھی کی آرائش کا کیا کہنا۔ آہنی پھاٹک کو پھولوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے اور ان کے خیر مقدم یا ان کے استقبال کے لئے خاص دروازے پر بی شبنم ایک کرسی پر رونق افروز ہیں۔ حسب حیثیت ہر ایک کا خیر مقدم کیا جارہا ہے کسی کے لئے صرف چشم و ابرو کی جنبش اور ہلکا سا تبسم کسی کے لئے کرسی سے کچھ اینچ بلند ہو جاتی ہیں اور کسی کے لئے کرسی سے نصف بلند ہو جاتی ہیں اور کسی کو سروقد تعظیم دی جاتی ہے۔ اپنی خوش اخلاقی اور شگفتہ مزاجی کا ثبوت وہ اپنے برجستہ اور برمحل موزوں فقروں سے ہر مہمان کو بہم پہنچا رہی ہیں۔ ان کی کرسی کے قریب ہی لکھنؤ کی حسین اور رعنا نوخیز طوائفوں کی ٹولی۔ بظاہر استقبال اور دراصل اپنی اپنی نمائش کے لئے استادہ ہے کہ میجر شوکت (شیبن خاں) ایک معقول آدمی کیساتھ وہاں پہنچتے ہیں۔ تو بی شبنم فرماتی ہیں - اوہو، راجہ صاحب شکر ہے کہ آپ کی صورت تو نظر آئی۔ بڑا کرم فرمایا آپ کی تعریف (شوکت کی طرف اشارہ کرکے) تو راجہ صاحب فرماتے ہیں۔ اگر مہمانوں کے ساتھ آپ کی یہی شان بے نیازی جاری رہی تب تو بڑی مایوسی ہوگی۔ آپ ہی ہیں میجر شوکت صاحب جن کے لئے آپ نے خاص طور پر دعوت نامہ جاری فرمایا تھا۔

"اوہ معاف فرمایئے گا میجر صاحب بڑی نوازش فرمائی۔ ہمیں تو بڑا اشتیاق تھا۔ آپ کی کرم فرمائی کا۔"

"یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے، جو اس بہانے آپ کا دیدار ہو گیا۔" اور حضوری کا موقع مل گیا۔

"اب معلوم ہوا میجر صاحب کہ آپ کی اس جادو بیانی نے لوگوں کو اپنا پرستار بنا رکھا ہے۔ تب تو راجہ صاحب آپ کی تعریف میں سر دُھنا کرتے ہیں۔ چلئے حال میں تشریف لے چلیں۔

چلتے ہیں۔ مگر آج جن کے دم کی ساری بہار ہے۔ یعنی روح بہار مس سیم نظر نہیں آتیں استقبال کرنے والوں میں۔ ذرا اُن سے بھی تو تعارف ہو جائے میجر صاحب کا۔"

"اُن سے بھی تعارف ہو جائے گا۔ ابھی تو وہ گئی ہیں۔ پھولوں کی شہزادی بننے کے لئے۔ اب تو جلسہ کے بعد ہی اُن سے ملاقات ہو گی۔ یہ سُن کر راجہ صاحب ایک چھوٹا سا پیکیٹ اپنی جیب سے نکالتے ہیں اور بی شبنم کو یہ کہتے ہوئے پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیر سا نذرانہ ہے۔ مس سیم کی سالگرہ کی تقریب پر۔"

"اے بھلا اس کی کیا ضرورت تھی راجہ صاحب، آپ کا تشریف لے آنا ہی ہمارے لئے ہزاروں کا ایک تحفہ ہے۔"

"خیر ملاحظہ تو فرمالیں۔ جڑاؤ گوشواروں کی جوڑی ہے۔ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔

شبنم تحفہ ملاحظہ فرما کر کہتی ہیں۔ اے سبحان اللہ۔ کس قدر نازک اور نفیس۔ کیا کہنے۔"

"اصل میں یہ تو آپ کی نظر کی خوبی۔ یا طبعی نفاست پسندی کا کرشمہ ہے۔ ورنہ یہ تحفہ بھی کیا۔

"بہت بہت شکریہ، اچھا اب گنہگار نہ بنائیں۔ چلئے اب ادھر ہال میں، میں بھی حاضر ہوتی ہوں۔ ذرا دو ایک خاص مہمانوں کا اور انتظار ہے۔"

چنانچہ یہ حضرات ہال کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ ہال میں مختلف مذاق اور طبقات کے نوجوان اور ادھیڑ عمر کے من چلے۔ خوش پوش لوگ۔ الگ الگ ٹولیوں میں تقسیم خوش فعلیوں میں مگن ہیں۔ ادھر کچھ اور مہمانوں کی آمد مشہود میاں چھوٹے صاحب کو لئے ہوئے وہاں پہنچتے ہیں۔ اور بڑے احترام سے آداب بجالاتے ہیں جس کا جواب بڑے بزرگانہ اور مشفقانہ انداز میں ملتا ہے اور پھر بی شبنم فرماتی ہیں۔

"کیا کہنے مشہود میاں۔ مہمان بن کر آئے ہیں۔ آپ کو پہلے سے آنا تھا اب یہاں انتظام میں ہاتھ بٹانے والے آپ جیسے اپنے نہوں گے تو کیا فرشتوں کو بلایا جائے گا۔ خیر۔ ہاں آپ کی تعریف۔"

"آپ میرے بڑے کرم فرما۔ بڑے عزیز دوست۔ چھوٹے صاحب وہ جن کے متعلق میں نے آپ سے کئی بار تذکرہ کیا ہے۔"

"اوہو، آپ ہیں۔ ماشاء اللہ مشہود میاں تو آپ کی تعریفوں کے پل باندھا کرتے ہیں۔"

"یہ تو سب مشہود میاں کی عنایت و محبت ہے۔"

"خیر اب چھوڑیئے اس خاکساری و انکساری کو۔ بھئی آپ کو ہال میں لے چلو، مشہود میاں جلسہ کے بعد آپ سے اطمینان کے ساتھ ذرا تفصیلی گفتگو ہوگی یہاں کے میزبان تو مشہود میاں ہیں۔ اس لئے اب آپ جانئے اور آپ کے میزبان۔"

چنانچہ یہ لوگ ہال کی طرف پہنچ جاتے ہیں۔ ہال کی آراستگی و شگفتگی کا کیا کہنا۔ نشستوں کے لئے صوفوں کا انتظام ہے۔ اپنے اپنے درجہ اور اس آستانہ کی تقرب کی نسبت سے لوگ بٹھلائے جارہے ہیں۔ ہر مہمان کی نشست پر پہلے سے اس کے نام کی چٹ لگادی گئی ہے۔ اِن نشستوں کے بالمقابل ایک شاندار اسٹیج بنایا گیا ہے۔ جس پر مس نسیم اپنی مکمل بہارِ جوانی کے ساتھ پھولوں کی شہزادی کے روپ میں جلوہ فرما ہونے والی ہے۔"

ٹھیک آٹھ بجے اسٹیج گیلری سے آرکسٹرانے سازوں کو چھیڑا تو تمام ہال موسیقی سے گونج اُٹھا۔ اس کے بعد اسٹیج کا ریشمی پردہ آہستہ آہستہ سمٹتا نظر آتا ہے۔ پردہ ہٹنے پر پس منظر میں ایک سرسبز اور پُربہار وادی نظر آتی ہے۔ جہاں خودرو پودے جنگلی پھول اور جھرنے نے اس تمام قطعہ کو طبقۂ فردوس بنادیا ہے۔ آرکسٹرا نے اپنے سازوں کی دُھن کو بدلا۔ اور مدہم سروں میں بہار کی آمد کا ترانہ چھیڑا۔ تو اِدھر اسٹیج پر ایک کلی نے اپنا گھونگھٹ کھولا۔ جس میں مس نسیم کا چہرہ اپنی پوری تابانی کے ساتھ نمودار ہوا۔ اور وہ موسمِ بہار کی آزاد اور چنچل تتلی کی طرح اُچھل کر اسٹیج پر آرہی۔ اسی طرح دوسری کلیوں سے اور لڑکیاں برآمد ہوتی ہیں۔ اور وہ سب مس نسیم کو اپنے حلقہ میں لے لیتی ہیں۔ رقص و موسیقی کی فضا میں پھولوں کا تاج نسیم کو پہنایا جاتا ہے۔ نسیم جو سر سے پاؤں تک پھولوں میں لدی ہوئی ہے۔ اُس کو اس تاج نے واقعی پھولوں کی رانی بنادیا ہے۔ اس وقت مس نسیم کے حسن و شباب کی تابانی دیدنی ہے۔ نوجوانوں کا تو ذکر ہی کیا۔ تماش بینوں میں ادھیڑ عمر کے من چلے بناسپتی نوجوان جنہوں نے خضاب اور کریم پاؤڈر سے روٹھی جوانی کو منانے کی کوشش کی ہے۔ نقد دل کے نذرانے پیش کرنے کو تیار ہیں۔ ابھی یہ رقص و موسیقی کا دھارا بہا ڈپرہی تھا ایک نوجوان لکڑہارا اسٹیج پر نمودار ہوتا ہے۔ پھولوں کی

شہزادی سے آنکھیں چار ہوتی ہیں اور کچھ مکالموں کے بعد شہزادی اپنے ہاتھ کی پھولوں کی چھڑی اس نوجوان کے جسم کو چھواتی ہے تو چشم زدن میں وہ نوجوان بھی پھولوں سے آراستہ ہوکر پھولوں کا شہزادہ بنا نظر آتا ہے۔ اس کے بعد دو ایک ڈوئٹ گانوں پر سین ختم ہو جاتا ہے جبکہ پھولوں کی شہزادی اس شہزادے کو اڑا کر فضا میں گم ہو جاتی ہے۔ اس وقت سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھتا ہے اور ٹھیک نو بجے تمام مہمان کھانے کے کمروں میں چلے جاتے ہیں۔ ایک کمرے میں خالص مشرقی مذاق اور خصوصیات کے کھانے تو دوسرے کمرے میں باقاعدہ ڈنر۔ نہایت سلیقہ کے ساتھ لکھنؤ کے نامی ہوٹل کے بوائے اپنی سفید شاندار وردیوں میں ملبوس کھانا سرو کرنے میں مصروف ہیں۔ تو دوسری طرف ہندوستانی دسترخوان پر دوسرے لوگ اہتمام میں مصروف ہیں۔ ان تمام کمروں سے الگ ایک مختصر سے کمرے میں ایک میز پر کھانا چنا ہوا ہے جہاں لی شبنم۔ چھوٹے صاحب مشہود میاں اور مس نسیم کو لئے ہوئے تشریف لاتی ہیں اور مس نسیم سے مخاطب ہوتی ہیں کہ بھئی اب تم جانو اور تمہارے مہمان۔ بڑا اشتیاق تھا انہیں چھوٹے صاحب کی ملاقات کا۔ اب جی بھر کے باتیں کرلو۔ اور کھانا بھی کھاؤ اور کھلاؤ۔ ادھر کے ہڑبونگ سے الگ، میں نے آپ لوگوں کے لئے انتظام کر دیا ہے۔ تاکہ اطمینان سے کھانا کھا سکیں۔ اور جس چیز کی ضرورت ہو منگوا لینا۔ اب میں ذرا ادھر سے مہمانوں کو دیکھوں۔ یہ کہہ کر شبنم رخصت ہو جاتی ہیں اور مس نسیم چھوٹے صاحب سے مخاطب ہوتی ہیں۔

"واقعی بڑا کرم کیا آپ نے۔ کس زبان سے شکریہ ادا کیا جائے آپ کا آئیے تشریف لائیے — یہاں اس طرف ہمارے سامنے۔"

مشہود کہتے ہیں۔ "ٹھیک۔ تاکہ۔ مقابل آئینہ ہو اور جو بیٹھیں ہوں برابر کی"

"وہ آپ ٹھہرے شاعر مشہود میاں اور ہمیں شعر سمجھنے کی بھی تمیز نہیں۔ پھر کیا

جواب دیا جائے۔ چھوٹے میاں، دیکھتے ہیں آپ ان کی شوخی۔ مس نسیم نے فرمایا۔
"کہنے دیجئے۔ مثل مشہور ہے کہ دل جلے تو اینٹ پتھر مارا کرتے ہیں۔"
اس پر ایک فرمائشی قہقہہ پڑ جاتا ہے اور نسیم کہتی ہیں کہ خیر آج تو مشہود میاں کی عنایت سے آپ سے ملاقات ہو گئی۔ مگر اس ملاقات کے کوئی معنی نہیں کسی وقت ذرا فرصت سے تشریف لائیں ....."

"تو پھر۔
کچھ اپنی کہیں کچھ ان کی سنیں ٹکرائے نظر اور کھو جائیں
سودا ہو دلوں کا فرصت سے اور دونوں شیدا ہو جائیں"
میاں مشہود نے شعر جڑ دیا۔
"پھر وہی ۔" چھوٹے صاحب نے ذرا تیوری چڑھا کر مہذب انداز سے ٹوکا۔
"کہنے دیجئے۔ یہ تو جلے دل کے پھپھولے پھوڑا کرتے ہیں۔ ہاں تو پھر بتلائیے، اب کب دیدار ہو گا۔"
"جب یاد فرمائیں ۔" میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں
"لیجئے آپ پھر بھی خیر سے شاعری کا دورہ پڑا ۔" مشہود نے فقرہ کسا
"یہ تو صحبت کا اثر ۔" نسیم نے مسکرا کر کہا۔
"غرضکہ اس ملاقات میں کچھ رسمی باتیں ہوتی رہیں۔ لیکن مس نسیم کی طرف سے ہر فقرہ میں ایک طرح کی خوش مذاقی اور دل بستگی پائی جاتی تھی۔ جس کا جواب چھوٹے صاحب کی طرف سے بڑی خندہ پیشانی سے دیا جاتا تھا بہر نوع یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ مس نسیم اور چھوٹے صاحب اس پہلی ہی ملاقات میں ہی ایک دوسرے سے بحید متاثر نظر آتے ہیں۔ فریفتگی نہ سہی۔ پھر بھی جذبہ

کشش کی کارفرمائی شروع ہوجاتی ہے۔"

دوسرے دن علی الصباح نشیمن کے خاص کمرہ میں عبداللہ سیٹھ میجر شوکت سے ہمکلام ہیں۔

"تمہیں دہیں ٹوکنے کی ضرورت تھی بھئی کیا مزے کی بات ہے کہ ہم جس سانپ کے سپنولئے کا پھن کچلنے کی ترکیب سوچ رہے تھے۔ اس نے الٹا کر ہم پر ہی وار کردیا۔

"اور کیا میاں مشہود نے جو چھوٹے صاحب کو شبنم کے گھر کا راستہ دکھایا ہے۔ وہ بہت بُرا اور سب سے زیادہ خطرناک چیز تو وہاں کا جوئے کا اڈا اور پھر اس سے بھی زیادہ خوفناک شبنم کی نورچشمی مس نسیم کی قیامت خیز جوانی ہے۔"

"خیر یہ سب کچھ دیکھا جائے گا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ تم شبنم پر کسی طرح اپنا اثر قائم کرو۔ اس معاملہ میں جو کچھ بھی خرچ کرنا پڑے۔ اس کی پرواہ نہ کرو" سیٹھ نے کہا۔

"رفتہ رفتہ تعلقات بڑھانے کی کوشش کروں گا۔"

ان واقعات کو کچھ عرصہ گذر چکا ہے۔ اور اس دوران میں مس نسیم نے

چھوٹے صاحب پر اپنا پنجہ مضبوطی سے جما لیا ہے۔ اب تو صبح و شام چھوٹے صاحب کی حاضری نسیم کی بارگاہ میں ضروری ہوگئی ہے۔ بلکہ یہ حاضریاں اب تو ان کی زندگی کا مقصد بن کر رہ گئی ہے۔ ان واقعات سے عبداللہ سیٹھ بھی بے خبر نہیں چنانچہ چھوٹے صاحب کی بڑھتی ہوئی آزادی کی رفتار پر اظہار خیال کرتے ہوئے عبداللہ سیٹھ میجر شوکت سے کہتے ہیں کہ ارے بھئی قیامت ہے ایک بڑھیا دو بڈھوں کو مات دے رہی ہے۔"

"جی ہاں۔ مگر یہ سارا کھیل مشہود میاں کھلا رہے ہیں۔ ادھر جو روپیہ انہوں نے لالہ کروڑی مل سے لیا تھا وہ سب اس آستانے کی نذر کر چکے۔ اب انہیں ضرورت ہے کہ کوئی موٹی آسامی پھنسے تاکہ اس سے رقمیں کٹوا کر اپنا کام بنائیں اور اس طرح شبنم پر اپنا اعتماد جمائیں۔"

"ارے تماشے کی بات۔ ہم چلے تھے کوئی اور مقصد لے کر اور یہاں اُلٹی آنتیں گلے پڑنے لگیں۔ سر مقصود کے سپوت ہمارے ہی کنّے جھاڑنے لگے۔ بھئی اب مزہ تو جب ہے کہ مشہود کے پھیلائے ہوئے جال میں خود اسی کو جکڑ دیا جائے سوچو کچھ ترکیب۔۔"

"ترکیب تو یہی ہے کہ اگر شعلہ قابو میں آجائے تو پھر سب کام بن جائے۔"

"تو پھر لڑا ڈالو عشق و محبت کا کوئی تگڑا سا پیچ۔۔"

"اس بڑھاپے میں۔۔"

"محبت کرنے کے لئے نہ کسی لائسنس کی ضرورت ہے نہ عمر کی شرط۔"

"مگر پھر بھی وہ بھولے ہوئے محبت کے انداز آنکھوں میں جوانی کا سا جوش مستی، یہ سب کہاں سے لایا جائے گا۔"

"یہ بھی کوئی مشکل بات ہے۔ دو چار عشق و محبت کی تازہ فلمیں

دیکھ ڈالو، سارے سین تازہ ہو جائیں گے۔"

"بہتر ہے کرتے ہیں کوشش۔ آپ چھوٹے صاحب کو سمجھائیں۔

" وہ ہم دیکھ لینگے تم اپنا کام کرو۔ اب جا سکتے ہو۔"

منیجر کے چلے جانے کے بعد سیٹھ ٹیلیفون پر لالہ کروڑی مل سے بات کرتے ہیں کہ مشہود میاں کو قرضہ دیئے ہوئے کتنے مدّت ہوئی۔...... جب ہنڈی سکارنے کا وقت ہو چکا ہے تو خاموش کیوں بیٹھے ہیں آپ...... نوٹس دے دیا ہے یہ اچھا کیا۔ روپیہ وقت پر وصول نہ ہو تو پھر باقاعدہ چارہ جوئی کرنی چاہیئے۔ لین دین میں کیا مروت رہاں۔" بات ختم ہونے پر گھنٹی بجاتے ہیں اور نوکر کو حکم دیتے ہیں کہ ذرا چھوٹے صاحب کو بلاؤ۔ اور بالآخر چھوٹے صاحب کے حاضر ہو جانے پر عبداللہ سیٹھ ان سے مخاطب ہوتے ہیں۔

"آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی توجہ آپ کی تعلیم کی طرف بہت کم ہے زیادہ وقت دوستوں کی نذر ہو رہا ہے۔"

"جی ایسا تو نہیں ہے چچا جان۔"

"ایسا ہی ہے جب سے مشہود میاں سے آپ کے مراسم بڑھے ہیں ہم آپ کا رنگ ہی کچھ اور ہی دیکھ رہے ہیں۔"

"اب میں کیا عرض کروں۔"

"آپ یہ بھی سمجھ لیں کہ ہم آپ کی دلچسپیوں سے بھی بے خبر نہیں۔ زیادہ گھما کر ہمیں بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے صاف لفظوں میں سُن لیں کہ جہاں اور جس ہستی سے آپ اپنی زندگی کا سودا کرنے چلے ہیں۔ وہ کسی طرح ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں اور نہ وہ آپ کے لئے موزوں ہے۔"

"یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ اگر کسی مجبور شریف طینت انسان کو کسی گندے

ماحول سے نکال کر اس کی زندگی کو بربادی سے بچاکر اگر اس کو پاکیزگی کی شاہراہ پر ڈال دیا جائے تو کیا یہ کوئی بُرا عمل ہوگا۔"

"یہ شرافت کا ڈھونگ مطلب براری کے لئے ہے۔"

"لیکن میں قول دے چکا ہوں۔ اب صرف آپ کی اجازت کی ضرورت ہے۔"

"اور ہمارا جواب آپ سُن ہی چکے۔"

"نہیں، نہیں۔ ایسا نہ فرمائیں۔ آپ کی شفقتیں جو آج تک مجھ یتیم کے حال پر رہی ہیں اور جس طرح آپ نے آج تک میری ہر بڑی سے بڑی فرمائش کو خندہ پیشانی سے پورا کیا ہے۔ اسی طرح اِس امر خاص میں بھی آپ کی ذات سے توقع ہے کہ :۔"

"کہ آپ کو جان بوجھ کر تباہی کے غار میں دھکیل دیا جائے۔ چھوٹے صاحب، یہاں زندگی اور مستقبل کا سوال ہے۔ اس لئے ہم وہی کچھ کریں گے جو آپ کے حق میں بہتر ہو، لہٰذا دلہن کا خیال دل و دماغ سے بالکل دور کر دیں۔ سمجھے آپ۔ یہ ہمارا آخری اور قطعی فیصلہ ہے۔"

"تو کیا آپ اپنے بیٹے کی نامرادا اور ناخوشگوار زندگی کو سکون کے ساتھ برداشت کر سکیں گے۔"

"اب آپ ماشاءاللہ سمجھدار ہیں۔ بچپن کی ضدوں کو بچپن کے ساتھ ہی رخصت کر دینے کی ضرورت ہے۔ پھر بھی آپ کو بہر صورت اپنے جذباتِ جوانی اور خواہشات کا جذبات سے عاری ہو کر جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ یہ ہمارا مشورہ ہے۔

آج کسی بڑے تہوار کے سلسلہ میں یونیورسٹی کی تعطیل ہے اور بی شہناز اپنی خاص سہیلی نجمہ کے یہاں پہنچی ہوئی ہیں۔ دردِ دل کے اظہار کے لئے۔ چنانچہ نجمہ اُن سے پوچھ رہی ہے۔ "کبھی کسی بات پر کوئی بحث تکرار ہوئی۔"

"کبھی نہیں۔"

"پھر کیوں انہوں نے اسٹڈی کیلئے آنا چھوڑ دیا۔"

"یہی تو میں پوچھ رہی ہوں"

"کہیں کسی اور جگہ تو وہ محبت کا سودا نہیں کر بیٹھے۔"

"ہوسکتا ہے، مرد کی ذات کا کیا اعتبار۔"

"اور کیا بھوترے کی برادری یہ مرد کی ذات، جس کا کام ہی کلی کلی پر منڈلانا۔"

"یہی تو مجھے حیرت ہے کہ بظاہر تو وہ ایسی طبیعت کے تھے نہیں مقصد یہ ہے کہ ذرا تم ہی پتہ لگا دو کہ ان کا زیادہ وقت آج کل کہاں صرف ہوتا ہے۔"

"وہ تو مجھے معلوم ہے۔"

"معلوم ہے تمہیں۔ تو میری پیاری نجمہ، بتا دو خدا کے لئے۔"

"تمہیں بیکار کا ملال ہوگا۔"

"نہیں نہیں، تم خیال نہ کرو۔"

"مجھے شمسہ کی زبانی معلوم ہوا ہے۔ اس نے اپنے بھائی سے سُنا ہے کہ تمہارے بھائی مشہود میاں نے ان کو ایک بازاری کے گھر کا راستہ دکھا دیا ہے۔"

"کون ہے وہ ۔"

"لکھنؤ کی ایک مشہور اور نامی طوائف ہے ۔ جس کی لڑکی حسن و جوانی کا ایک جیتا جاگتا جادو ہے ۔ آج کل وہاں حاضریاں ہوتی ہیں ان کی ۔"

"نام معلوم ہے اس کا ۔"

"ہاں شبنم ۔ اور اس کی لڑکی کا نام نسیم ہے ۔ جس کی جوانی کی بہاریں یہ رنگ لا رہی ہیں ۔"

"پھر کیا کیا جائے ۔"

"کسی ذریعے سے چھوٹے صاحب کے والد کو یہ خبر پہنچائی جائے تو کام بنے شاید ۔"

"ذریعہ اور کیا ! میں خود جا سکتی ہوں اُن کے پاس ۔ وہ میرا بڑا خیال کرتے ہیں ۔"

"تو پھر یہی بہتر ہوگا ۔"

"مگر ڈر یہ ہے کہ اگر چھوٹے صاحب کو خبر لگ گئی تو کہیں ناراض نہ ہو جائیں ۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ عبداللہ سیٹھ اس سلسلہ میں ہرگز میرا نام نہ لیں گے ۔ بالاخر اسی مشورہ کے بعد، اسی شام کو شہناز نشیمن پر پہنچکر عبداللہ سیٹھ سے دریافت حال کرتی ہے کہ — "امتحان سر پر ہے اور چھوٹے صاحب اسٹڈی سے بالکل بے نیاز نظر آتے ہیں ۔"

"کب سے نہیں گئے وہ تمہاری طرف ۔"

"دو مہینے ہو چکے ۔"

"ہوں ۔ اصل میں ان کو کچھ نئے دوست مل گئے جن کے لیڈر ہماری بیٹی شہناز کے برادر محترم میاں مشہود ہیں ۔"

"بھائی جان نے تو نہ جانے کیوں خاندان کا نام ڈبونے کی قسم کھا رکھی ہے۔"

"اس میں تمہیں بُرا ماننے کی ضرورت نہیں۔"

"اگر وہ خود اچھے ہوتے تو کون بُرا کہتا۔ خدا کے لئے اُن کی دوستی سے بچایئے چھوٹے صاحب کو چچا جان — ورنہ وہ اِن کو بھی اپنی طرح تباہی کی راستے پر ڈال دیں گے۔"

"ہم حالات سے بے خبر نہیں۔ تم اطمینان رکھو۔ وہ جلدی ہی اپنی منزل کی طرف پلٹ آئیں گے۔ اُن کی مجال نہیں کہ وہ ہماری مرضی کے خلاف کہیں اپنی زندگی کا سودا کر سکیں۔ ہماری نظر میں جو جگہ اُن کے رشتہ کے لئے موزوں ہے اور مناسب ہے۔ اس کا ہم انتخاب کر چکے ہیں۔ حق حقدار کو ہی پہنچے گا۔ اور کہو، تمہاری تیاری کیسے ہے امتحان کے لئے۔"

"محنت تو کر رہی ہوں۔"

"مگر تم اپنے دماغ کو پریشان نہ کرو۔ اطمینان سے پڑھنے میں دل لگاؤ۔"

"میں آپ کی نصیحت پر ضرور عمل کروں گی چچا جان۔ اچھا اجازت ہے میں جاؤں گی۔ نشہناز رخصت ہو جاتی ہے۔ اور عبداللہ سیٹھ کچھ سوچتے رہ جاتے ہیں۔

آج بی شبنم کے یہاں میجر شوکت صاحب مختلف تحفوں کے ساتھ حاضر

ہیں اور شبنم قریب ہی صوفہ پر تشریف فرما ہیں۔ قیمتی ساڑیاں اور کچھ زیورات ملاحظہ سے گذارے جا رہے ہیں۔ شبنم مسکرا کر خاص انداز میں فرماتی ہیں۔

"آخر کیوں اتنی نوازشیں بڑھتی جا رہی ہیں حضور۔"

"نوازشیں تو آپ کی ہیں جو اس بندہ کو بار بار یہاں حاضری پر مجبور کرتی ہیں۔"

"بات یہ ہے میجر صاحب کہ دُنیا سازی ہم سے آتی نہیں۔ منہ میں میٹھی زبان اور سینہ میں پُر خلوص دل رکھتے ہیں۔ جس سے ملتے ہیں کھلے دل سے اور بغیر کسی لالچ کے۔ ہم قدر کرتے ہیں انسانیت اور شرافت کی۔"

"اس میں کیا شک ہے۔ آپ کی یہی رسیلی باتیں تو ہیں جو یہاں سے جانے کے بعد بھی گھنٹوں کانوں میں رس گھولا کرتی ہیں۔ اسی لئے تو گذارش ہے کہ محبت کرنے والوں کو اس بیدردی سے نہ ٹھکرایا کریں۔ یہ کہہ کر ایک خاص انداز سے ہاتھ پکڑ لیتے ہیں جس پر وہ آہستگی سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہتی ہیں۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو میجر صاحب۔ برابر کی جوان لڑکی ہے میرے اور آپ....."

"مگر کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"رہنے بھی دیجئے یہ دل لگی۔"

"دل کی لگی کو دل لگی سمجھتی ہیں آپ، اللہ رے ستم ظریفی۔ آپ ہی بتائیے کہ میری پنشن اور فنڈ کا جو اتنا روپیہ ہے۔ اس کو ٹھکانے سے خرچ کرنے والا کوئی تو ہونا چاہیئے۔ دُنیا کے خزانے بیکار۔ اگر انسان کے ساتھ اس کا سچا ہمدرد، ہمدرد، غم گسار اور شریکِ زندگی نہ ہو۔"

"یہ تو آپ نے بڑی اُلجھن میں ڈال دیا مجھے۔ اس عمر میں آخر آپ کو

یہ سوجھی کیا ہے۔ آخر کیا دیکھ کر آپ مجھ پر ریجھے ہیں حضور۔ جوانی رخصت ہو چکی۔ اُجڑی بہار سے اب کیا ہاتھ لگے گا۔"

"کچھ نہ ملے۔ زندگی کی منزلوں میں ایک تھکے ہوئے مسافر کے لئے نیم کا درخت کا سایہ ہی غنیمت ہوتا ہے۔ اور پھر آپ تو اب بھی ہزاروں سے بہتر ہیں۔"

"اچھا زیادہ بنایئے نہیں۔"

"بناتا کون ہے کمبخت۔ ہماری آنکھوں سے دیکھئے کہ حضور آپ کیا ہیں"

غرضکہ رفتہ رفتہ میجر شوکت بی شبنم کو اپنی غرض کے شیشے میں اُتار لیتے ہیں اور اس کو یقین دلا دیتے ہیں کہ زندگی میں اس کو کوئی سچا پرستار ملا ہے تو وہ میجر شوکت۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ایک خاص تقریب کے بہانے سے میجر شوکت۔ بی شبنم کو مع مس نسیم کے اپنی کوٹھی پر چائے کے لئے بلاتے ہیں۔ چائے پیتے ہوئے تذکرہ ہے تو سیٹھ عبداللہ اور چھوٹے صاحب کا۔ بی شبنم کہتی ہیں۔

"کہ آپ کو یہ حالات کیونکر معلوم ہوئے۔"

"کیونکر معلوم ہوئے ...... میں سیٹھ عبداللہ کو برسوں سے جانتا ہوں۔ پہلے وہ بمبئی میں ایک کپڑے کی مل میں مقدم تھے۔ اتفاق وقسمت سے اُن کے نام ڈربی کی ایک لاٹری نکل آئی۔ جس سے انہوں نے ریس کے کچھ گھوڑے خرید لئے۔ اِن گھوڑوں نے تو تقدیر کا پانسہ ہی پلٹ دیا۔ دس بارہ برس کے عرصہ میں اس کی آمدنی اور روئی کے سٹے کے کاروبار میں کروڑپتی بن گئے۔ چونکہ اُن کی تندرستی بمبئی میں خراب رہنے لگی۔ اس وجہ سے وہ یہاں چلے آئے اور یہاں تو یونہیں شغل کے لئے تھوڑا سا کاروبار جاری کر دیا۔

"لیکن ان سب باتوں سے اس شادی کے معاملہ کا کیا واسطہ۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی ۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عبداللہ سیٹھ کے پاس جو کچھ دولت ہے وہ اُن کے ہی قوت بازو سے کمائی ہوئی ۔ کوئی موروثی چیز نہیں ۔ جس پر چھوٹے صاحب کا کوئی قانونی حق قائم ہو سکے ۔

"تو پھر اس کا مطلب ۔"

"مطلب یہ کہ قانونی حیثیت میں ان کو اختیار ہے کہ وہ اپنی دولت کسی راستہ چلتے کے سپرد کر دیں ۔ وقف کر دیں ۔ یا کچھ کریں چھوٹے صاحب کسی قانون کی رو سے اُن کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اُٹھا کر ان کے وارث نہیں بن سکتے ۔ اس لئے اگر چھوٹے صاحب نے یہ شادی ان کی مرضی کے خلاف کر لی ۔ تو پھر میں جانتا ہوں ان کی طبیعت کو وہ ایک کوڑی بھی اپنی دولت سے چھوٹے صاحب کو دینے والے نہیں ۔ تو پھر اس دولت سے محروم رہ کر چھوٹے صاحب کی کیا حقیقت باقی رہ جائے گی ۔"

"اے، تو ہمیں ایسی کون سی ضرورت ہے ۔ ایسے کسی واسطے کی ۔"

"مگر سوال تو مس نسیم کی مرضی کا ہے ۔"

"نسیم کوئی دیوانی یا ناسمجھ بچی نہیں ہے ۔"

"مگر میں خود ان کی زبان سے سننا چاہتا ہوں ۔ اگر مس نسیم سمجھ لیں تو پھر اُن کے رشتہ کیلئے چھوٹے صاحب سے کہیں بہتر ایک اور جگہ ہے میرے اختیار میں ۔ اور پھر وہ لڑکا بھی ایسا کہ دیکھا کرو ۔ اتنا حسین اور......

"تو پھر پوچھ دیکھئے نا ۔ بولو، بیٹی ۔"

"اجی ایسا ہے تو لعنت بھیجئے ۔ اوسر کھیت میں کیسر کون بوئے ۔"

"چھوٹے صاحب کے چھوٹ منے کا آپ کو کوئی ملال تو نہ ہوگا۔"

" ملال کی بھی ایک کہی آپ نے۔ اب تک نہ جانے کتنے ایسے دیوانوں میری زندگی میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ مگر میں نے کسی ایک کو منھ نہ لگایا تھا۔ مجھے دیکھنا ہے اپنی زندگی کی آسائش اور شاندار مستقبل کو۔۔"

"شاباش یہی چاہیئے۔ بس اب مجھے اطمینان ہے۔ اب لیجئے میں پیش کرتا ہوں ایسا رشتہ جو تقدیر کھل جائے۔۔"

"اچھا، اب آپ ہی فکر نہ کریں گے تو اور کون آئے گا ان کی سرپرستی کے لئے۔ اچھا۔ اب اجازت دیں۔ کئی ضروری کام ہیں آج۔"

اِس گفتگو کے بعد شبنم اور تبسم رخصت ہوجاتی ہیں اور برابر والے کمرے سے عبداللہ سیٹھ اور چھوٹے صاحب برآمد ہوتے ہیں۔

سیٹھ صاحب نے چھوٹے صاحب کو مخاطب کیا۔

"سُن لیا آپ نے۔ اب کیا فیصلہ ہے آپ کا"۔

"لعنت بھیجیے ان کمبختوں پر ۔۔ اصل میں مجھے بڑے دھوکہ میں مبتلا کیا گیا تھا۔ یہ کہہ کر چھوٹے صاحب وہاں سے چل دیتے ہیں۔ تو میجر شوکت کہتے ہیں۔

"کہیئے کیسی رہی۔"

"بہت خوب۔ ورنہ اس فریبی محبّت کا بھوت کہیں ایسی آسانی سے اُترنے والا تھا۔ اچھّا اب کیا ہے تمہارا پروگرام۔"

"جیسا حکم ہو۔"

"شبنم کو کسی ترکیب سے اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ تبسم کو میاں مشہود

کے گلے منڈھ ڈالے ۔ اس کو بتاؤ کہ سر مقصود کے مرنے کے بعد لاکھوں کی جائداد و دولت کا وہ تنہا وارث بننے والا ہے ۔ اس سے بہتر اُن کو اور کون ملے گا دامادی کے لئے ۔ "

" وہ مارا ـــــــ کیا کہنے ہیں سیٹھ صاحب داد دیتے ہیں آپ کے دماغ کی ۔ یہ کیا مشکل ہے ۔ اِنشاءاللہ ایسا ہی ہوگا ۔ اچھا اب رخصت ۔

آج کافی عرصہ کے بعد چھوٹے صاحب شہناز کے یہاں پہنچے ہوئے ہیں ۔ اور روٹھی ہوئی شہناز کو منانے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

" اِسی قصور کی تو معافی مانگی جا رہی ہے حضور ۔ "

" جرم سنگین ہے ۔ "

" اس لئے ۔ "

" عدالتِ عالیہ کا فیصلہ ہے کہ مجرم اپنی تمام غیر حاضریوں کا حساب کر کے حاضریوں میں جمع کرتا رہے ۔ "

" جو حکم عدالت کا ۔ "

" ضمانت چاہیئے ۔ "

" جان حاضر ہے ۔ "

"یہ اللہ کا مال ہے۔"

"تو پھر دل۔"

"یہ بھٹکنے والا۔ اس کا کیا اعتبار۔"

"کیوں۔"

"البیلا جو ٹھہرا۔ کہیں اور بھیس پڑا تو۔ اس کے لئے تو کوئی ایسا جیلخانہ چاہیئے کہ جہاں سے یہ بھاگ نہ سکے۔"

"تو اس کی یہی ترکیب ہے۔ اِس دل کو اس سینہ کی حوالات میں بند رکھیں۔ پھر کیا مجال جو باہر کی ہوا کھا سکے۔"

"اِس حوالات سے پہلے بھی بھاگ چکا ہے۔"

"تو کیا ہوا، آخر پھر گرفتار ہو کر پیشی میں آنا ہی پڑا۔"

"سزا ملنی چاہیئے۔"

"چلئے معاف کر دیجئے، ناسمجھ ہے بیچارہ۔"

"موجِ نسیم نے ایسا مست بنا دیا کہ پڑھنے لکھنے کی بھی شدھ نہ رہی۔"

"اب تو حضور جو ہونا تھا وہ ہو ہی گیا۔"

"تو کیا کر چکے اُن سے شادی، چلئے مبارک ہو۔"

"شادی بھی کیا کوئی گڑیوں کا کھیل ہے۔ کہ گاجر کی پینڈی، گلگیرو کے پھول۔ کہو میاں بنے تمہیں بنی قبول۔ جی قبول۔ اور ہو گئی شادی۔ وہاں تو میں صرف مشہود میاں کے اصرار پر دو ایکبار ضرور گیا۔ ویسے کوئی بات نہیں"

"اگر کوئی بات ہو بھی تو ہم کون جانچ پڑتال کرنے والے۔"

"آپ ایسا کہتی ہیں۔ آپ کو تو سب کچھ حق حاصل ہے۔"

"یہ کب سے ۔"

"دکب سے ۔ جب سے آپ نے الکشن میں میری وجہ سے دست برداری دی۔

"شکریہ ۔"

"خالی شکریہ سے کام تو نہیں بنتا ۔"

"پھر ۔"

"پھر یہ کہ آج فیصلہ ہو جائے۔

"کاہے کا ۔"

"دو زندگیوں کے سکون کا ۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ۔ آپ شوق سے مس نسیم کو شریک حیات بنا سکتے ہیں ۔"

"اجی اُن پر تو تین حرف ۔ یہاں تو شہناز اور اِس خاکسار کی زندگیوں کا سوال ہے ۔"

"اچھا جی ۔"

"جی ۔"

"تو پھر میں کیا کروں ۔"

"کرنا یہ ہے کہ آج صاف الفاظ میں اقرار نامہ مکمل ہو جائے کہ آپ ہماری اور.....۔"

"آ گئی نا وہی گڑیا گڈھوں والی بات ۔"

"نباہ ہے آپ سے بھی ۔ پھر اب کیسے کہوں کہ ۔"

"کچھ کہنے سُننے کی ضرورت نہیں۔ وقت اور حالات جس طرف بہائیں گے بہنا پڑے گا ۔"

"آخر آپ کا فیصلہ کیا ہے۔"

"فیصلہ تو یکساں ہی سمجھئے۔ لیکن انجام قسمتوں سے وابستہ ہے۔"

"بس یہی معلوم کرنا تھا۔ اب اطمینان ہے۔ جئیں آپ۔ خوش رہیں۔ سونے کے سہرے سے بیاہ ہو۔ صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے۔"

"اچھا اب کام کی باتیں کیجئے۔"

"کام کی باتیں۔ مقدمہ کی پیشی کے ہول میں کام کی بات کا ہوش کہاں تھا اب سنئے۔ یونیورسٹی کانووکیشن کے موقع پر رومیو جیولیٹ ڈرامہ ہو رہا ہے جس میں رومیو میں اور جیولیٹ آپ۔"

"جی مجھے کوئی ضرورت نہیں کسی ایسے آرٹ پارٹ کی۔ آپ جو چاہیں وہ بنتے پھریں۔ مگر اتنی دور کیوں جاتے ہیں۔"

"دور سے کیا مطلب۔"

"یہی کہ مشرق کی تاریخ میں عشق و محبت کے قصے کیا کچھ کم ہیں جو مغرب کے پیچھے دوڑیں۔ مجنوں۔ فرہاد۔ وامق۔ رانجھے۔ مہیوال کچھ بن جایئے۔"

"آپ تو نہ جانے کیا سمجھتی ہیں۔ اب کے امتحان میں شکسپیئر کے ڈراموں میں سے سوالات آنے والے ہیں۔ اور یہ ڈرامہ ہے اس کا ماسٹر پیس۔"

"محبت کے اسکول میں ہر جگہ ایک ہی قاعدہ پڑھایا جاتا ہے۔ یوں زبان کا فرق ہو تو ہو۔ ورنہ چیز وہی۔"

"وہی کیا۔؟"

"مرنا۔ تڑپنا۔ سلگنا۔ بلکنا۔ دن کی آس۔ رات کے نالے۔ پریشانی اُلجھن۔ دل کی دھڑکن۔ بڑھتی پیاس۔ چہرہ اُداس۔ بدنامی۔ رسوائی۔ جگ ہنسائی۔ وحشت۔ جنون۔ فساد۔ خون اور آخر میں ایک کی موت اور دوسرے کی شہادت۔ قصہ ختم۔

"لیجئے آپ کو تو سارے سبق یاد ہیں۔"
"آپ بھی یاد کر لیجئے، منع کس نے کیا ہے"
"ہاں۔ تو پھر کیا جائے پارٹ شروع۔ دیکھئے ماموں مجنوں فرماتے ہیں ؎

جبکہ کالج سے پڑھکر کہ جاتی ہو تم
تو میں لیلےٰ ہی لیلےٰ پکارا کروں

"اچھا خدا کے لئے دماغ نہ چاٹیئے۔ ایسے پارٹ یاد کرنا ہوں تو اس کے لئے بہتر مقام بندر یا باغ ہے۔ یہاں تو اس ڈرامہ بازی سے باز رہیئے۔"
"ہاں صاحب، آپ کا مکان، آپ جو چاہیں وہ حکم چلا سکتی ہیں۔"
"اچھا۔ چھوڑیئے نہ یہ بیکار باتیں۔ تھوڑے سے دن امتحان کے رہ گئے ہیں۔ وقت کی قدر کیجئے۔"
"جو حکم سرکار کا، چلئے اُٹھایئے کتاب۔ آپ بھی کیا کہیں گی کہ ہمارا حکم نہیں مانا گیا۔ بولئے آج کیا چلے گا۔"
"آج لیلیٰ مجنوں چلا لیجئے گا۔ یا کوئی سبجکٹ لے لیجئے۔"
"خلوص و محبت کا یہ ڈرامہ سعید منزل کی بالائی منزل پر جاری ہے اور ادہر نچلی منزل کے ایک حصہ میں سر مقصود رضیہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ ہاتھ میں کچھ کاغذات لئے ہوئے۔ غصہ میں تھر تھراتے ہوئے رضیہ سے مخاطب ہوتے ہیں۔
"دیکھیے اپنے سپوت کے لچھن۔ خدا غارت کرے ایسی اولاد کو۔"
"کیا ہوا خیر تو ہے۔"
"پچاس ہزار روپیہ قرض لے کر عیاشی میں اڑا دیا۔ آپ کے صاحبزادے نے۔ نالش ہو گئی۔"

"ایں۔ خداوندِ عالم، ہمارے حال پر رحم فرمائے۔"

"ہم نے ہی کس پر رحم کیا تھا — جواب ہم رحم کے حق دار ہیں۔ یہ کہہ کر اپنے مردانے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں ان کے مرحوم بھائی مسعود میاں کا فوٹو لگا ہوا ہے۔ یہ اس فوٹو سے مخاطب ہیں۔ زخم کی تکلیف۔ موت کی اذیت تو آپ پر ایک لمحہ بھر میں ختم ہو گئی۔ آپ نے شہید بن کر دائمی سکون حاصل کر لیا۔ لیکن میں نے اپنے لئے ایک مستقل جہنم خرید لیا۔ احساسِ گناہ کی بھٹی میں پڑا سلگ رہا ہوں للّٰہ معاف کر دیجئے اپنے گنہگار کو۔ آپ سے جو کچھ چھینا ہے وہ لیجئے اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ بھی۔ اور اس سب کے بدلے میں تھوڑا سا اطمینان تھوڑا سا سکون جو آپ کو حاصل ہے اپنے گنہگار بھائی کو بھی دے دیجئے۔ (روتا ہے)

بی شبنم کے کاشانے پر آج میجر شوکت کچھ شانِ غضب لئے ہوئے نازل ہوئے ہیں۔ ملاقاتی کمرہ میں پہنچ کر وہ اپنا ہیٹ کچھ اس انداز سے فرش پر پٹکتے ہیں کہ شبنم چونک پڑتی ہے اور پوچھتی ہے۔

"خیر تو ہے میجر صاحب۔ آج یہ کیا تیور ہیں۔"

"کاہے کے تیور۔ سب چوپٹ ہو گیا۔ کیا دھرا۔"

"کیا چوپٹ ہو گیا"

"وہی نسبت کا معاملہ۔"

"ایں۔ یہ کیسے۔"

"تعجب تو یہ ہے کہ آپ جیسی سمجھدار، تجربہ کار، زمانہ شناس اور آج کل کے ان لونڈوں کو نہ پہچان سکے۔"

"مگر ہوا کیا۔"

"ہونا کیا تھا۔ وہ آپ کے مشہود میاں۔ ہر جگہ مس نسیم سے اپنے معاشقہ کی داستانیں سناتے پھرتے ہیں۔ کہیں ان لوگوں نے بھی سُن پایا۔ بس اور کیا۔ صاف جواب دیدیا انہوں نے کہ واہ میجر صاحب کہاں چوراہے کی مٹھائی پر نیاز دلانے لئے چلتے ہیں آپ۔ اُف کیسی ذلت ہوئی ہے اس وقت۔"

"تب تو بڑا ہی موذی نکلا یہ مشہود۔ نہ ہوا اس وقت میرے سامنے جو نامراد کی بوٹیاں ہی چبا جاتی۔ ہا۔ کیسا پانی پھیرا ہے موتی سی آبرو پر اس موذی نے۔"

"اس پر اب غصہ بیکار ہے آپ کا۔ دل کے ہاتھوں ہر شخص مجبور ہے۔ یہ تو ہم نے بھی اندازہ لگایا ہے کہ وہ نسیم پر دل وجان سے مٹا ہوا ہے۔ اچھے گھرانے کا اور دل والا ہے۔ شاہ خرچ ہے۔"

"پھر اس قصیدہ خوانی کا مقصد میجر صاحب۔"

" مطلب یہ کہ اس بدنامی کے بعد اب کسی اچھے گھرانے میں تو رشتہ ناممکن ہے۔ اس لئے۔"

"جی اس لئے۔"

"ہمارے خیال میں تو مشہود بھی برا نہیں ہے اس رشتہ کیلئے۔"

" اے دیدوں میں خاک۔ صدقہ کیا تھا۔"

" جذبات کی رو میں نہ بہیں۔ معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ سر مقصود کے انتقال کے بعد وہ تنہا وارث بننے والا ہے لاکھوں کی جائداد کا۔"

"اِس لئے آپ کی رائے ہے کہ۔"

"اس کو ہی شیشہ میں اُتارا جائے۔"

"مگر یہ رشتہ ناممکن ہے میجر صاحب۔"

"ناممکن کیوں ہے۔"

"یہ نہ پوچھیں۔"

"آخر کوئی راز ہے کیا۔"

"جی ہاں راز ہی ہے"

"ہم سے بھی چھپانے کا۔"

"نہیں آپ سے کیا چھپانا۔ لیکن پھر بتا دیا جائے گا۔"

"آخر اس وقت بتانے میں کیا تکلف ہے۔"

"کیا کہا جائے۔"

"خیر ہمارا تو یہ آخری فیصلہ ہے کہ اِس سے اچھا رشتہ اور کہیں ممکن نہیں"

"مگر کہیں ایسا بھی غضب سُنا ہے......"

"کیا۔؟"

"کہ جانتے بوجھتے بھائی بہن کی شادی کر دی جائے۔"

"بھائی بہن۔ یہ کیا معمہ۔"

"جی ہاں نسیم۔ سر مقصود کی ہی بیٹی ہے۔"

"نہیں جی۔"

"آپ کی قسم۔ اب کہئیے۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہوا۔ جب نسیم سر مقصود کی اولاد ہے تو اس کو کبھی ان کی جائداد کا سے اس کا حصہ ملنا ہی چاہیئے لیکن قانونی طور پر یہ ممکن نہیں

"پھر کیوں نہ ترکیب سے اُس کا حق حاصل کیا جائے۔"

"مگر اس اندھیر کے ساتھ۔ جیتی مکھی تو نہیں نگلی جاتی میجر صاحب۔"

"ہے اس کی بھی ایک صورت اور وہ صرف یہ کہ نکاح کردیا جائے اور پھر رخصتی کے لئے خود مسٹر مقصود کو بُلایا جائے۔ ایسی حالت میں نکاح تو قائم رہ نہیں سکتا۔ البتہ اس دباؤ میں اُن سے معقول رقم وصول کی جاسکتی ہے۔"

"ہے تو جی لگتی بات۔"

"جی لگتی یا سنہرا داؤ۔"

"بہتر۔ مگر دیکھیے یہ راز ابھی کھلنے نہ پائے۔"

"یہ کس سے فرما رہی ہیں آپ۔"

"اس گفتگو سے دوسرے دن ہی بی شبنم مشہود میاں کو اپنے مقصد کے لئے ہموار کرتی نظر آتی ہیں۔"

"مشہود میاں بے غیرت بن کر کہنا پڑ رہا ہے۔ نہ جانے تم نے اس بدنصیب پہ کون سا جادو پھونک مارا ہے جو تمہارا ہی دم بھرتی ہے۔ یاد رکھنا اگر اس کا دل توڑا تو یہ خون تمہاری گردن پہ ہوگا۔"

"میں تو خود دل و جان سے چاہتا ہوں۔ مگر ساری دشواری ہے ابا میاں کی۔"

"کیوں بہانے کرتے ہو۔ پُرانے شگون میں اپنی ناک کٹوانا۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"اسے یہی کہ باپ کی ذرا سی خوشی کے لئے اپنی زندگی کی ساری تمنائیں خوشیاں اور راحتیں جہنم میں جھونک دی جائیں۔ وہ پُرانے خیال کے ہیں تو ہوا کریں۔ تم تو پُرانے زمانے کی پیداوار نہیں۔"

"کیا عرض کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"آپ اتنا کچھ کیوں کہے جارہی ہیں امی جان۔ قسمت کی نامرادی کو کوئی میٹ سکتا ہے (روتے ہوئے نسیم فرماتی ہیں)

"اے لعنت تمہارے رونے پر اور پھٹکار تمہاری چاہت پر جو اپنی جان ہلکان کی جائے اور کسی کے بھائیں نہو۔ سنکھیا لا کر کیوں نہیں دے دیتے اس نامراد کو۔ جو جھگڑا ہی مٹے۔" یہ کہہ کر شبنم تیوری چڑھائے بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے دوسری طرف چلی جاتی ہیں تو نسیم آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے دردناک لہجہ میں کہتی ہیں۔"

"بھڑکتی آگ پر تیل چھڑکنے میں کچھ مزہ آتا ہے آپ کو۔"

"مگر میں نے انکار کب کیا ہے۔"

"میں اپنی آبرو کے موتی کو نیلام کی بولی پر نہیں چڑھا سکتی۔ مر جاؤں گی۔ مگر۔"

"ہی ہی، یہ آپ ایسی باتیں کیوں کرتی ہیں۔ بس نسیم کی خوشی میری جان کے ساتھ ہے۔"

"تو پھر صاف صاف کیوں نہیں کہتے آپ۔"

"کہنا کیا۔ اب مجھے بھی کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ ابّا جان ناراض ہوں تو بلا سے۔ اب تو شادی ہوگی پیاری نسیم سے اور ڈنکے کی چوٹ۔ بس۔

"مردوں کی زبان۔"

"ایک۔۔ یہی فیصلہ ہے۔"

"خیر خدا کا شکر، آپ کا دل تو پسیجا۔ امی جان۔ امی جان۔

"ذرا یہاں تو آیئے۔ اللہ ناراض نہ ہوجیے۔ آیئے تو سہی۔ سُنئے تو

آپ کو ہماری قسم - امی جان!"
"کیا ہے" یہ فرماتی ہوئی شبنم نمودار ہوتی ہیں۔
"لیجئے وہ راضی ہیں - بس اب تو خوش ہو جایئے۔"
"تم ہو ابھی نا بکد - تم زمانے کی رفتار کو کیا جانو - یہ زندگی کا سودا ہے کوئی بچوں کا کھیل نہیں - جبتک کہ مشہود میاں تمہارے مستقبل کا معقول بندوبست نہ کر دیں - اس وقت تک یہ سب کچھ بیکار ہے۔"
"آپ جو حکم فرمائیں۔"
"اس وقت ہر قدم بڑے سوچ سمجھ کر اٹھانے کی ضرورت ہے میاں"
"بہتر۔"
"تو سنو - یہ ظاہر ہے کہ سر مقصود اس رشتہ کو ہرگز قبول نہیں کر سکتے نہ وہ نسیم کو اپنی بہو کی حیثیت میں پسند کریں گے تو ایسی صورت میں اس غریب کا کیا حشر ہوگا۔"
"میں اپنے رہنے کا الگ انتظام کرلوں گا - اور کیا؟"
"الگ رہنے سے تو مقصد پورا نہیں ہوتا - وہ تمہیں عاق بھی کر سکتے ہیں - جائداد سے محروم بھی قرار دے سکتے ہیں اس جرم میں۔"
"پھر -"
"پھر یہ کہ تم پہلے کسی طرح اس کی زندگی کے گذارے کا کوئی معقول انتظام کر دو، پھر اور بات کرو۔"
"مجھ سے جیسا فرمائیں - میں حکم سے باہر نہیں۔"
"سر مقصود کی زندگی میں جائداد پر تمہارا کوئی اختیار نہیں - یہ ظاہر ہے البتہ بالغ ہونے کی حیثیت سے تم اس ورثہ میں ملنے والی جائداد پر جو قرضہ چاہو

وہ حاصل کر سکتے ہو۔"

"تو پھر آپ دلا دیجئے کسی سے قرضہ۔"

"قرضہ دلانے کی بھی ایسی کوئی خاص ضرورت ہے۔ صرف خانہ پُری کیلئے کچھ دستاویزیں قرضہ کی مکمل کر دی جائیں۔ پھر سب دیکھا جائے گا۔"

"جیسا آپ بہتر سمجھیں۔"

"تو تم کل صبح میرے ساتھ منظور مہدی صاحب وکیل کے یہاں چلو۔ وہ قانونی حیثیت میں درست مشورہ سے سارا کام مکمل کر دیں گے۔"

"بہت بہتر۔"

دوسرے دن علی الصباح مشہود میاں بی شبنم کے ساتھ منظور مہدی صاحب وکیل کی کوٹھی پر پہونچتے ہیں۔ پہلے بی شبنم ایسے کچھ مشورہ کرتی ہیں اور پھر میاں مشہود سے تبادلۂ خیال کے بعد دستاویزوں کے مسودات تیار کئے جاتے ہیں۔ غرضکہ اسی روز تقریباً دو لاکھ روپے کے قرضہ کی تین دستاویزوں کی رجسٹری باقاعدہ طور پر مکمل کرا دی جاتی ہے اور وہ بھی بی شبنم کے نام سے نہیں۔ بلکہ ایک مہاجن کے نام سے جس سے ایک اور دستاویز لکھوالی جاتی ہے۔ کہ اصل میں یہ قرضہ بی شبنم ادا کر رہی ہیں۔ جو کسی مصلحت سے اپنے نام سے معاملہ کرنا پسند نہیں کرتیں۔ اس لئے ان کے مختار خاص کی حیثیت میں یہ دستاویزیں اپنے نام سے رجسٹری کرا رہا ہوں۔

ادہر میجر شوکت سیٹھ عبداللہ کو اس راز سے آگاہ کرتے ہیں کہ نسیم اصل میں سر مقصود کی بیٹی ہے اور مشہود کی بہن، جس پر سیٹھ عبداللہ کہتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے تو یہ ڈرامہ بڑا شاندار رہوگا۔ جس کا ڈراپ سین کسی بڑی ٹریجڈی پر ختم ہوگا۔ تم دیکھنا۔

قرضہ کی دستاویزوں کی تکمیل کے بعد میجر شوکت اور بی شبنم مشہود کو سمجھاتے ہیں کہ ابھی صرف نکاح کر لینا ہی کافی ہوگا ۔ کچھ عرصہ میں جبکہ سر مقصود کے غصے کا طوفان ٹھنڈا پڑ جائے تو یقین ہے کہ انجام کو سوچتے ہوئے وہ خود اپنی بہو کو عزت کے ساتھ رخصت کرا کر لیجائیں گے ۔ اس طرح نسیم کی توقیری بر قرار رہے گی اور تمہاری بات بھی بن جائے گی ۔ چنانچہ میاں مشہود اس فیصلہ پر راضی ہو جاتے ہیں اور تیسرے دن ہی چپ چپاتے مس نسیم کا نکاح مشہود میاں سے کر دیا جاتا ہے اور قاضی صاحب کے رجسٹر میں نسیم کی ولدیت میں کسی اور شخص کا نام لکھا دیا جاتا ہے ۔

ادھر نکاح سے دوسرے دن ہی کسی ذریعہ سے سر مقصود کو اس واقعہ کی اطلاع مل جاتی ہے تو وہ بھونچکا ہو کر رہ جاتے ہیں کہ یہ کیا غضب کیا اس ندی نے کہ جانتے بوجھتے ۔ بہن بھائی کو شادی کے بندھن میں جکڑ دیا ۔ مشہود تو باپ کے غیظ و غضب کے ڈر سے منہ چھپائے پھر رہے تھے ۔ ایسی حالت میں مجبور ہو کر اسی شب میں خود بی شبنم کے در دولت پر حاضر ہوتے ہیں اور نہایت غضب کی حالت میں ۔ اطلاع ملنے پر شبنم ان کو بڑی ڈھٹائی اور بے باکی سے بلا لیتی ہے اور ایک مخصوص کمرہ میں سلسلۂ کلام جاری ہوتا ہے ۔

سر مقصود فرماتے ہیں ۔

" یہ سب کیا تماشہ دکھایا جا رہا ہے ۔ ہم پوچھتے ہیں شبنم صاحبہ ۔ "

"تماشہ کیسا۔ ؟"

"کیا تم ان دونوں کے حقیقی رشتہ سے بے خبر نہیں۔"

"بے خبر کیوں ہوتی۔"

"تو پھر جانتے بوجھتے یہ کیا اندھیر۔ بھلا کہیں بھی ایسا غضب ہوا ہے کہ بہن بھائی۔"

"ہمارے مذہب میں یہ سب کچھ جائز ہے سر صاحب۔"

"کونسا ہے وہ تمہارا لعنتی مذہب۔"

"جو آپ کا مذہب ہے۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔"

"ذرا تمیز سے بات کریں۔"

"ہمارا خون کھول رہا ہے۔"

"وجہ۔"

"پھر وجہ پوچھتی ہو دو زندگیوں کو غارت کر کے۔"

"مجھے تو اپنی لڑکی کی شادی کرنا تھی وہ کر دی۔"

"مگر وہ لڑکی کس کی۔"

"میری اور کس کی۔ اب کسی کا کیا حق اس پر۔"

"ہمارا خیال ہے کہ تم اپنی اس ڈھٹائی سے ہمارے ہاتھ خون میں رنگوانا چاہتی ہو۔"

"آخر خون خرابے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"کیا تم انکار کر سکتی ہو کہ نسیم ہماری لڑکی نہیں۔"

"آپ کو شرم آنا چاہیئے سر صاحب اس کو بیٹی بناتے ہوئے۔ کبھی اس

کی پرورش میں کوئی حصّہ لیا۔ کبھی آکر اُسے پوچھا کہ زندہ ہے یا مرگئی۔ آج آپ اس کے ابّا جان بن گئے۔"

"مگر اس اندھیر کا کوئی ٹھکانا ہے۔ نہیں خوفِ خدا بھی نہیں۔"

سرصاحب طوائفوں کی اولاد زمین سے نہیں اُگتی۔ آسمان سے نہیں برستی۔ وہ سب آپ ہی جیسے شریف ناک والوں کی اولاد میں ہیں۔ یہ سب کچھ تو ان مکانوں میں داخل ہونے والے شریف عیاشوں کو پہلے ہی سوچ لینا چاہیئے کہ ہماری نفس پرستی کے نتیجہ میں جو اولادیں ان کے گھروں میں پیدا ہونگی ان کو بالاخر بازر کی مٹھائی بننا ہے جو آئے گا خرید کرلے جائے گا۔ نہ یہاں چچا کی سند ہے نہ بھائی کی۔

"خیر اب زیادہ بات بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نکاح کس صورت میں جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ تو پھر رخصتی کا تو سوال ہی دیوان پن ہے۔ اس لئے ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ اب اگر اس سلسلہ میں کوئی قدم آگے بڑھایا گیا تو ہم بتائے دیتے ہیں کہ پروردگارِ عالم کی قسم مشہود و نسیم کے ساتھ ساتھ تم بھی پستول کا نشانہ بن کر رہو گی۔"

"جب ایسا وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ شادی تو ہو ہی چکی۔ اب اگر روکنا ہے تو اپنے صاحبزادہ بلند اقبال کو روکئے۔ ان کو بتایئے۔ اُن کو سمجھایئے کہ یہ کیا اندھیر ہے بیٹا کہ تم بہن کو دلہن بنا رہے ہو۔"

"بہتر ہے۔" یہ کہہ کر سر مقصود نہایت غصّہ کی حالت میں یہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں۔

نسیم سے نکاح کے بعد مشہود میاں کو بڑی فکر پہلے اپنی ماں رقیہ کو ہموار کرنے کی تھی تاکہ وہ سر مقصود کو سمجھائیں۔ لیکن باپ کی موجودگی میں گھر میں داخل ہونے کی ہمت نہیں تھی۔ اس لئے وہ ایسے موقع کی تلاش میں تھے کہ جس وقت میدان خالی ہو۔ تو وہ اماں جان کو راضی کرنے کے لئے پہنچیں۔ چنانچہ اسی مقصد کی غرض سے گھر کے نوکروں کو ملا رکھا تھا۔ جاسوسی کے لئے۔ اور آج جبکہ سر مقصود شبنم کے گھر گئے ہوئے تھے مشہود میاں کو خبر مل گئی کہ کار برآری کا موقع یہی ہے۔ اس وجہ سے وہ بے دھڑک گھر میں آدھمکے۔ واقعہ کی خبر ماں کو بھی ہو چکی تھی۔ انہوں نے آڑے ہاتھوں لیا اور بہت کچھ لعنت ملامت کی۔ مگر پھر آخر ماں۔ اور ماں کی اندھی مامتا۔ مشہود نے خوشامد اور دھمکی سے کام لے کر آخر ماں کو راضی کر ہی لیا۔ اور اُن سے وعدہ لے لیا کہ وہ اِس معاملہ میں ضرور اس کی مدد کریں گی۔ اس طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد مشہود میاں اِس ڈر سے کہ کہیں باپ سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے جلد ہی گھر سے واپس ہوتے ہیں۔ مگر ہوا بھی ایسا ہی کہ لاکھ احتیاط کے باوجود باپ کا سامنا ہو ہی گیا اور وہ بُری طرح اس پر برس پڑے۔

"بدنصیب نامراد۔ ڈوب مر کہیں چلّو بھر پانی میں۔ کیا ایک بازاری عورت ہی رہ گئی تھی تیری ناپاک زندگی کے لئے۔"

"آپ کا غصّہ بیکار ہے آبا جان۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا اور پھر اپنی زندگی کے آرام اور اپنے سکونِ دل کو تنہا میں خود سمجھ سکتا ہوں آپ کیا جانیں"

اب میں کوئی نادان بچہ تو نہیں۔ میں نے جو کچھ کیا ہے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ دہ بہت سوچ سمجھ کر۔"

"دُور ہو جا ہماری نظروں کے سامنے سے۔ خبردار جو آج سے اس گھر میں قدم رکھا تو نے۔ جاؤ دنیا کی خاک چھان اور جس طرح جی چاہے خاک اُڑا۔"

"معاف کیجئے مکان آپ کا نہیں۔ میرے دادا کا ہے۔ موروثی ہے۔"

"بدتمیز، مردود، تیری اتنی ہمّت۔ یہ ڈھٹائی۔"

"یہ سب کچھ آپ بزرگوں کی بخشی ہوئی چیزیں ہیں۔"

"جتنا کمینہ پن دکھا سکتا ہے وہ جی بھر کے دکھا لے۔ لیکن کان کھول کر سن لے کہ اس جائداد یا دولت سے تجھے ایک کوڑی بھی نہیں مل سکتی۔ جا۔ میں نے تجھے عاق کیا۔ آج سے کسی چیز سے تجھے کوئی واسطہ نہیں۔"

"بھول رہے ہیں آپ۔ مکان کی طرح اس دولت پر بھی آپ کا کوئی حق نہیں۔ اس لئے کہ اپنے حصّے کی جائداد اور دولت تو آپ پہلے ہی تباہ کر چکے تھے۔ یہ سب کچھ تو وہ ہے جو آپ نے بڑے چچا جان کے خون سے ہاتھ بھر کر حاصل کیا ہے۔"

"تو میری اولاد ہے او خدایا۔ جس اولاد کے لئے میں نے اپنے آپ کو دین و دنیا میں روسیاہ کیا آج وہی اولاد میرے منھ پر ملامت کے طمانچے لگا رہی ہے۔ جا کہتا ہوں کہ دور ہو جا۔ چلا جا۔ ورنہ میں آج تیرا خون پی جاؤں گا۔"

"جو اپنے بھائی کا خون پی سکتا ہے۔ اس کے لئے بیٹے کا خون پی لینا دشوار نہیں۔ مگر آپ یہ بھی یقین رکھیں کہ مشہود ایسا حریرہ نہیں جس کو آپ آسانی سے پی سکیں۔ یہ حوصلہ تو آپ ساتھ لیجائیں گے۔ اور اب آپ بھی کان کھول کر سن لیں۔ گھر میرا ہے۔ دولت و جائداد کا مالک میں ہوں۔ جس سے میں نے نکاح کیا ہے

وہ اب اِس گھر کی بیگم ہے۔ اگر آپ یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتے۔ تو اچھا ہے آپ گاؤں والی کوٹھی میں چلے جائیں۔ اتنی رعایت کر سکتا ہوں۔ اب آپ کی زندگی ہی کتنی ہے۔ چراغِ سحری۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ خاموش زندگی کے باقی دن گذار دیں۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک بیٹے کو اپنے خونی باپ کے خلاف عدالت میں پیش ہونا پڑے۔ کل اِس گھر میں آ رہی ہے اس گھر کی بیگم۔ آپ کی بہو۔"

"جو کچھ تو کہہ رہا ہے یہ سب کچھ ممکن ہے۔ مگر وہ اس گھر میں بہو بن کر نہیں آ سکتی۔"

"وہ ضرور آئے گی۔ مجھے بھی دیکھنا ہے کہ کون روک سکتا ہے۔"

"اُسے روکنے والے انسانیت۔ مذہب اور قانون۔"

"یہ آپ کیا بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔"

"او میرے مالک۔ کیا مجھے اپنی سیاہ کار زندگی کی کتاب کے پوشیدہ ورق بھی آج اُلٹنا پڑ جائیں گے۔ تو سُن لے ملعون وہ اس گھر کی بہو نہیں بن سکتی۔ کیونکہ وہ تیری بہن ہے۔"

"بہن ہے۔ کون نسیم اور میری بہن۔ کوئی اور فقرہ تراشا ہوتا۔ آدم کی اولاد ہونے کے اعتبار سے تو دُنیا کی تمام لڑکیاں میری بہنیں ہیں۔"

"ایسا نہیں ہے کمبخت۔ یقین کر کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ ٹھیک ہے شہناز کی طرح وہ بھی تیری بہن ہے۔ اگر یقین نہ آتا ہو تو اس ملعونہ شبنم کے ہاتھوں پر کلام پاک رکھ کر پوچھ لے۔ وہ بھی اِس گنہگار کی جوانی کے عالم کی غلط کاری کی ایک زندہ یادگار ہے۔ خدایا زمین پھٹ جائے تاکہ میں اس میں سما جاؤں۔ یا مجھ پر اپنے قہر و غضب کی بجلی گرا دے تاکہ تیرے اس گنہگار کے ناپاک وجود سے دنیا پاک

ہو جائے ۔ یہ سارا گناہ بھی میرے سر ہے کہ ایک بھائی اپنی بہن کو شریک حیات
بنا رہا ہے ۔ میں حقیقت بتا چکا (روتے ہوئے) اب تجھے اختیار ہے۔ چاہے
تو بہن کو بیوی بنا کر حرام کاری کا دروازہ کھول لے ۔ چاہے تو غیرت دار بن کر کہیں
جا کر ڈوب مر ۔ تباہ کر دے اس گھر کو ۔ اور تباہ ہو جا ۔ اگر شریف ماں کے
پیٹ کا ہے ۔ اگر تیرے نطفے میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ تو اب دنیا کو اپنی ملعون صورت
نہ دکھا۔ جا دور ہو جا ۔۔ یہ کہتے کہتے میر مقصود پر اختلاج قلب کا شدید دورہ
پڑتا ہے اور وہ بے سدھ ہو کر گر پڑتے ہیں ادھر مشہود انتہائی غصے کی حالت
میں اپنے کمرہ میں داخل ہو کر ریوالور نکال کر اس میں کارتوس ڈال کر نہایت تیزی
سے گھر سے نکل جاتا ہے ۔

مشہود انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں شبنم کے گھر پہنچتا ہے ۔ تو
سب سے پہلے نسیم سے مڈبھیڑ ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ نسیم دیکھی کچھ ستم ظریفی تم نے
اپنی ماں کی کہ کس طرح ہم لوگوں کی زندگیوں کو جانتے بوجھتے ہوئے غارت کیا ہے ۔ اس
میں تمہارا تو کوئی قصور نہیں ۔ مگر میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ میری بہن بازار
میں طوائف بن کر عصمت فروشی کی دوکان لگائے ۔
"یہ کیا بک رہے ہو ۔ خیر تو ہے ۔ دماغ کوئی خراب ہوا ہے ۔" نسیم
نے کہا ۔
"نامراد نسیم ، تجھے خبر نہیں ۔ ہم لوگ آپس میں بہن بھائی ہیں ۔ جن کو تیری

لالچی ماں نے میاں بیوی کی حیثیت میں دانستہ طور پر جکڑ ڈالا ہے۔ اس لئے اب ہمیں ایسی ملعون زندگیوں کی ضرورت نہیں — معاف کرنا میری بے گناہ، بے خبر بہن کہ بھائی تیرا قاتل بن رہا ہے۔ یہ کہہ کر نسیم کو شوٹ کر دیتا ہے۔ اس کی چیخ کے ساتھ ریوالور کی آواز سن کر بی شبنم کی گھبرائی ہوئی وہاں آجاتی ہے تو نسیم کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھ کر بدحواس ہو کر گرجتی ہے۔

"او موذی نامراد — یہ تو نے کیا کیا — ہے ہے میری بچی — غارتی تجھے خدا سمجھے۔ ٹہر تو قصائی۔ خونی۔ میں بھی تیرا خون پی کر ہی چھوڑوں گی۔ ابھی بلاتی ہوں پولیس کو۔"

"ضرور بلاؤ۔ اگر موت تمہیں مہلت دے۔ ملعون عورت تجھے خدا کا ڈر بھی نہ ہوا۔ جو ایک بھائی کو بہن کا شوہر بنا ڈالا۔ چلی کدھر کو۔ تیرا راستہ اب اور ہے ملک عدم کا —" یہ کہہ کر اس پر بھی فیر کرتا ہے کہ عین اس وقت اتفاق یا ہونے والی بات کہ عقبی دروازے سے میجر شوکت نمودار ہوتا ہے۔ ادہر مشہود ریوار کی لبلبی دبا چکا ہے۔ گولی چلتی ہے اور بجائے شبنم کے میجر شوکت نشانہ بن جاتا ہے اور شبنم مارے دہشت کے برق رفتاری سے دوسرے کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیتی ہے۔ نوکر چاکر سب دوڑ پڑتے ہیں مگر کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ وہ قاتل پر ہاتھ ڈالے۔ چنانچہ شبنم سے میدان خالی پا کر اور دو تڑپتی لاشیں چھوڑ کر یہ اپنا راستہ لیتا ہے۔

نسیم کے قتل کی واردات کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ شہر کے من چلے نوجوانوں میں تو صف ماتم بچھ گئی۔ شہر میں ہر شخص کی زبان پر یہی قصہ اور اس پر قیاس آرائیاں۔ اگر مشہود کو کہیں شہر کے نوجوان پا جائیں تو کچا ہی چبا جائیں۔ مگر وہ بھی ایسا غائب ہوا کہ پولیس بھی اُس کا نشانِ قدم تک نہ پا سکی۔ نسیم کا خاتمہ ہو ہی چکا۔ البتہ میجر شوکت کو موت نے کچھ مہلت ضرور دے دی۔ ان کو فوراً ہسپتال پہنچایا گیا تھا اور امرجنسی کیس میں جلد ہی آپریشن ہو گیا اور گولی نکل گئی اور وہ خطرے سے باہر ہو گئے۔ ادھر سر مقصود پر اس واقعہ کا اِس قدر اثر پڑا کہ وہ بڑی حد تک نیم پاگل بن گئے۔ رضیہ تو کلیجہ تھام کر بیٹھ رہی۔ اُسے یقین تھا کہ یا تو مشہود نے کہیں جا کر خودکشی کر لی۔ ورنہ کہیں نہ کہیں گرفتار ہو کر پھانسی کے پھندہ تک اک دن ضرور پہنچے گا۔ بہر صورت گھر تباہ ہو چکا تھا اور سکونِ زیست رخصت۔ گھر بھر میں شہناز کی وہ ہستی تھی جس نے اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ یوں بھائی کی محبت اپنی جگہ — مگر ننگ خاندان بھائی کا گم ہو جانا ہی اُس کے لئے باعث سکون تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اتنی بڑی دنیا میں گھر سے دور رہ کر وہ پولیس کے پنجہ سے ضرور محفوظ زندگی گذار سکتا ہے

ادھر بی شبنم تو برباد ہو ہی چکی تھیں۔ انہوں نے بھی سوچا کہ جب دنیا نے ان پر رحم نہ کیا تو وہ بھی کسی پر کیوں رحم کریں۔ مشہود والی قرضہ کی دستاویزیں کیوں نہ اب کام میں لائی جائیں۔ چنانچہ انہوں نے لالہ چھیدی مل کے ذریعہ سے قانونی چارہ جوئی کر ہی ڈالی۔ اور کچھ پیشیوں کے بعد مع خرچہ اور سود کے سوا دو لاکھ کی ڈگری انہوں نے حاصل کر بھی لی۔

سر مقصود نے باوجود سمن جاری ہونے کے جواب دہی کچھ ضروری نہ سمجھی اور یک طرفہ ڈگری جاری ہو گئی اور اب جبکہ قرقیٔ جائداد کی نوبت آئی

تو آنکھیں کھلیں۔ لیکن بعد از وقت ۔ ہر طرف نظر دوڑائی ۔ مگر کہیں سے فراہمیٔ قرضہ کی صورت نظر نہ آئی ۔ تو پھر آپ نے بدرجۂ مجبوری عبداللہ سیٹھ کی طرف رجوع کیا اور ایک مختصر سا خط لکھ کر امداد طلب کی ۔ عبداللہ سیٹھ وہ خط دیکھ ہی رہے تھے کہ لالہ کروڑی مل بھی آن براجے ۔ انہوں نے بھی اس قرضہ کی نالش کردی تھی جو براہِ راست سر مقصود کو دیا گیا تھا۔ رسمی باتوں کے بعد لالہ کروڑی مل نے بات چھیڑی ۔

"اور کبھی سنا آپ نے سیٹھ صاحب ۔ لالہ چھیدی مل نے نالش کر کے سوا دو لاکھ کی ڈگری حاصل کرلی ہے ۔ سر مقصود کی جائداد پر ۔ آج آخری تاریخ ہے اگر روپیہ داخل نہ ہوا تو جائداد نیلام پر چڑھ جائے گی ان کی ۔"

"ان کا ہی یہ خط ہے ۔ اب ہم سے امداد مانگی جا رہی ہے ۔"

"قرضہ کی ادائیگی کے لئے ۔"

"ہاں ۔ کہ یہ رقم ہم ادا کر دیں ۔ ورنہ ۔"

"ورنہ کیا ؟ ۔"

"دھمکی دیتے ہیں کہ غیرت دار ہوں خودکشی کر لوں گا ۔"

"تو ان کے مرنے سے ہمارا کیا نقصان"

"نہیں ابھی نہیں کچھ اور جینے کی ضرورت ہے ۔ مناسب موت کے لئے ۔"

ادہر سر مقصود کے یہاں شہناز اور رضیہ میں تبادلۂ خیال ہو رہا ہے یونیورسٹی کے امتحان وغیرہ ختم ہو چکے ہیں ۔ اس وجہ سے شہناز کا اب تمام وقت گھر پر ہی گذرتا ہے ۔ اس خیال سے اُس نے اور بھی باہر نکلنا بند کر دیا تھا کہ غمزدہ ماں کا جی بہلاتی رہے ۔ اس معاملہ خاص میں رضیہ بیٹی کو بتلاتی ہے کہ زندگی اجیرن ہے

اب تو بیٹا ۔ اگر روپیہ آج داخل نہوا تو ہماری بنی بنائی آبرو پر پانی پھر جائے گا اور خاندانی عزّت خاک میں مل جائے گی ۔ مجھے تو ڈر یہ ہے کہیں وہ اپنی آبرو کی خاطر جان پر نہ کھیل جائیں ۔ "

نشہناز کچھ سوچ کر اُٹھتی ہے اور باہر جانے کے لئے تیار ہوتی ہے ، ماں لاکھ پوچھتی ہے مگر وہ کچھ جواب دیئے بغیر ہی چلی جاتی ہے ۔ ادہر مردانے کمرے میں سر مقصود اپنے مقتول بھائی کی تصویر سے مخاطب ہیں ۔ کمرے کے تمام دروازے بند ہیں ۔

" بھائی جان ۔ میری ملعون زندگی کے فریب کا پردہ چاک ہو چکا ہے اب تو دُنیا اور اس کے جھمیلوں سے جی بھر چکا ۔ آپ کا گنہگار آپ کے پاس آ رہا ہے ۔ آپ جو چاہیں سزا دیں ۔ اگر سزا دینے کے بعد آپ اپنے اس خطا کار کو معاف کر دیں ۔ تو ممکن ہے کہ احساسِ گناہ کی بھٹّی میں سلگنے والی بے چین روح کو شاید کچھ سکون مل جائے ۔ جس دولت کے لئے یہ ہاتھ خون سے رنگے ۔ جس اولاد کی خوش حالی کے خیال سے اپنی دنیا اور آخرت غارت کی آج وہی دولت اور وہی اولاد مجھ سے باغی ہے ۔ آج وہی دولت مجھے ٹھکرا رہی ہے ۔ وہی اولاد خاندانی وقار کا خاکہ اڑا رہی ہے ۔ لعنت ہے ایسی بے غیرت زندگی پر ۔ یہ باتیں کرتے ہوئے میز کی دراز سے ریوالور نکالتے ہیں ۔ اس میں کارتوس بھرتے ہیں ۔ پھر کچھ سوچ کر کہتے ہیں ۔

" ٹھیک ہے مرنے سے پہلے اپنی گنہگار زندگی کا مختصر سا افسانہ بھی ضرور لکھ دینا چاہیئے ۔ تاکہ میرے بعد جو ایسے دولت کے پجاری رحم و انسانیت کے دشمن ۔ حریص ۔ دغا باز درندے گتے ۔ میری نامراد زندگی سے کچھ سبق حاصل کر سکیں ۔ کاغذ قلم دوات سنبھال کر کچھ لکھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں ۔

ادھر شہناز سیٹھ عبداللہ کی خدمت میں پہنچی ہوتی ہے اور اُن سے سرگرم کلام ہے۔

"اب اور کوئی سہارا نہیں چچا جان۔"

"مگر ہم کیا کرسکتے ہیں۔"

"ابا جان کی جان۔ آبرو۔ سب کچھ اس وقت آپ کے رحم و کرم کی محتاج ہے۔ آپ نے کتنی بار اس کنیز کو بیٹی فرمایا ہے۔ رسم زمانہ کے طور پر ہی سہی آج یہ نادار بیٹی اپنے صاحبِ مقدرت بزرگ کے آستانے پر بڑی امیدیں لیکر آئی ہے۔ خدا کے لئے ان کو بچا لیجئے۔ گھر تباہ ہو ہی چکا ہے اور اب اُن کے ساتھ جو باقی ہیں ان کی جانوں کا بھی خطرہ ہے۔ آج اگر یہ ڈگری کا روپیہ حاصل نہ ہوا تو مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور خودکشی کرلیں گے۔ تباہی اور موت کا بھیانک چہرہ اس وقت ہم سب کے سامنے ہے۔

الغرض شہناز کی اس دُکھ بھری التجا پر عبداللہ سیٹھ گھڑی دیکھتے ہیں شام کے ساڑھے چار بج چکے ہیں۔ فوراً میز کی دراز سے چیک بک نکال کر جیب میں رکھتے ہیں اور شہناز کو ساتھ لے کر کچہری کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

اس طرف سر مقصود اپنے خاص کمرہ میں مصروف تحریر ہیں۔ کہ ایکبار تحریر کو ختم کرکے کاغذات کو تہ کرکے میز پر رکھ کر پیپر ویٹ سے دبا دیتے ہیں۔ اور گھڑی کی طرف نظر کرتے ہیں۔ پانچ بجنے میں پانچ منٹ باقی ہیں۔ اک آہ سرد بھر کر پھر مرحوم بھائی کی تصویر سے مخاطب ہوتے ہیں۔

بھائی جان۔ دنیا کی ستم ظریفیوں کا ستایا ہوا قسمت کا ٹھکرایا ہوا۔ گنہگار آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے۔ اب دُنیا کی وسعت اس پر تنگ ہو چکی ہے۔ کوئی جائے پناہ نہیں۔ خاندان کی بنی ہوئی عزّت و آبرو نیلام پر چڑھ چکی

کسی کا کوئی سہارا نہیں۔ اب کوئی چارہ نہیں۔ خاندان کے وقار پر اپنی قربانی دے رہا ہوں۔ جس وقت یہ گھڑی پانچ بجا رہی ہوگی۔ اس کی آخری یا پانچویں آواز پر اس ریوالور کی آواز۔ گھڑی ہمنوا بن کر اس گنہگار کی زندگی کا خاتمہ کردے گی۔ اوہ صرف ڈیڑھ منٹ رہ گیا۔ یا اللہ تو ستار دمجوب ہے تو رحیم ہے۔ اپنے حبیب کے صدقے میں اس گنہگار کی توبہ قبول فرمائے تاکہ وہ سکون و اطمینان کے ساتھ جان دے سکے۔ خدایا مجھے ہمت عطا کر۔ میں بے جھجک دلیری سے اپنا کام تمام کرلوں۔ اب وقت پورا ہو چلا۔ یہ کہہ کر سر مقصود ریوالور اٹھاتے ہیں اور آزمائش کے لئے ایک فیر سامنے لگے ہوئے قد آدم آئینے پر کرتے ہیں۔ جس سے ایک زبردست جھناکے کی آواز پیدا ہوتی ہے اور وہ آئینہ ٹکڑے ہوکر نیچے گرتا ہے اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ ادہر اس آواز کو سن کر رضیہ انتہائی سراسیگی کے عالم میں مردانے کمرے کی طرف دوڑتی ہے اور دروازہ پیٹنے لگتی ہے کہ للہ دروازہ کھولئے۔ ادہر گھڑی سے گھنٹہ بجنے کی آواز شروع ہونے والی ہے کہ عبداللہ سیٹھ کی کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوتی ہے اور شہناز دیوانہ وار دوڑتی ہوئی دروازے پر پہنچتی ہے اور پکار کر کہتی ہے۔

"ابا جان دروازہ کھولئے۔ اب آپ کی عزت محفوظ ہے۔ روپیہ داخل ہو چکا۔ کھولئے۔" اس وقت نہ جانے کہاں کی قوت شہناز کے بازوؤں میں آجاتی ہے کہ اس کے زبردست زور دار جھٹکے سے دروازہ کی چٹخنی کے پیچ نکل جاتے ہیں اور دروازہ دھڑاکے کے ساتھ کھل جاتا ہے اور گھڑی کا گھنٹہ بجنا شروع ہوتا ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ سر مقصود ریوالور اپنی کنپٹی سے لگائے خودکشی پر تیار ہیں۔ ادہر شہناز جو دروازہ کھلنے کی جھونک میں منہ کے بل گر پڑتی ہے۔ بے تحاشا دوڑ کر ریوالور پر اپنا ہاتھ مارتی ہے اور ریوالور ہاتھ

سے گر جاتا ہے اور مسٹر مقصود چونک پڑتے ہیں۔ کیونکہ ریوالور کی لبلبی اُٹھی
ہوئی تھی وہ نیچے گرنے پر دھماکے کے ساتھ دب جاتی ہے اور ایک فیسہ
ہو جاتا ہے اور گولی آتش دان پر رکھے ہوئے ایک گملے میں پیوست ہو جاتی ہے
ننھا ز بھو دہی الفاظ دُہراتی ہے۔ آپ کی عزت محفوظ ہے۔ ابا جان روپیہ
داخل ہو چکا۔ جس پر وہ حیرت زدہ ہو کر پوچھتے ہیں کیا سچ۔ اس پر عبداللہ
سیٹھ آگے بڑھ کر وہ عدالتی رسیدیں پیش کر دیتے ہیں۔ جس کے جواب میں
اظہارِ ممنونیت کے جذبے سے سیٹھ کے دونوں ہاتھ ہاتھوں میں لے کر زور سے
دبا لیتے ہیں اور سیٹھ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگتی ہے۔

اس واقعہ سے تیسرے روز مسٹر مقصود ایک خط لیے ہوئے گھر میں
داخل ہوتے ہیں اور رضیہ سے کہتے ہیں۔
"لیجیے آ گئی مشہود میاں کی خبر۔"
"کہاں ہے وہ۔"
"آغوشِ اجل میں۔"
"کیا؟"
"اس نے خود کشی کر لی۔"
"ہے ہے۔ یہ آپ کیسی خبر سنا رہے ہیں کس کا ہے یہ خط"
"بنارس کے سول سرجن کا۔"

"کہیں کسی دشمن نے تو یہ خط نہیں لکھ دیا۔ خدا کے لئے تار دے کر اس کی خیریت منگوا دو۔"

"تار کل بھی مل چکا ہے۔ میں نے تم سے تذکرہ نہیں کیا۔ اس نے زہر کھا کر خودکشی کی تھی۔ مگر زندہ حالت میں اُسے اسپتال پہنچایا گیا تھا۔ کافی دوڑ دھوپ کی گئی۔ مگر زہر اپنا پورا اثر کر چکا تھا۔ اٹھارہ گھنٹے کی ڈاکٹروں کی مسلسل کوشش بیکار گئی۔ مرنے سے پہلے اُس نے یہاں کا پتہ بتا دیا تھا۔"

یہ کہتے ہوئے آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ ادھر رضیہ کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ پچھاڑ کھا رہی ہے بیچاری اور بین کرکے اپنا بُرا حال بنا ڈالا ہے۔ کچھ سکون ہو جانے پر اپنے اکلوتے لال کی موت کی رسوم کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔

غم کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو۔ وقت کی رفتار کے ساتھ بہا چلا جاتا ہے مشہود کی موت کو پندرہ روز گذر چکے ہیں۔ کہ یونیورسٹی کا رزلٹ آؤٹ ہوتا ہے اور شہناز خوشی خوشی باپ کی خدمت میں حاضر ہو کر خوشخبری سناتی ہے کہ لیجئے ابّا جان مبارک ہو۔ میں پاس ہو گئی۔ لیکن سیکنڈ ڈویژن ملا ہے۔"

"بہت خوب۔ اللہ مبارک کرے، اور چھوٹے صاحب۔"

"وہ بازی مار لے گئے۔ فرسٹ ڈویژن لیا ہے انہوں نے۔"

"لیکن تمہاری سیکنڈ ڈویژن بھی ان کے فرسٹ ڈویژن سے کم نہیں ہے۔ اچھا تو میں ذرا سیٹھ صاحب کو چھوٹے صاحب کی اس شاندار کامیابی کی

مبارکباد دے آؤں ۔ ان کے بڑے احسانات ہیں ہم لوگوں پر ۔ اس دن دیکھا مشہود گھر پر سے کے لئے جو آئے تھے تو کس قدر غمزدہ تھے ۔ خوشی اور رنج کے برابر کے شریک ۔ "

"چلتی تو میں بھی ۔ لیکن اس وقت ۔"

"تم پھر کسی اور وقت ہو آنا ۔ " یہ کہہ کر سر مقصود عبدالاحد سیٹھ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں ۔

ادھر سیٹھ صاحب کے پاس چھوٹے صاحب اپنا نتیجہ امتحان لئے موجود ہیں ۔ اور کہتے ہیں ۔

"جی ہاں ۔ خالی خوشی سے کام نہیں چلتا ۔ انعام چاہیئے چچا جان ۔"

"انعام ۔ انعام تو پہلے ہی طے ہے آپ کے لئے ۔"

"تو پھر ملنا چاہیئے ۔ ۔"

"اتنی جلدی ۔ "

"جی ہاں ۔ ہاتھ کے ہاتھ ۔ ۔ "

"یعنی چٹ منگنی ، پٹ بیاہ ۔"

"کیا ۔"

"وہ انعام ہے آپ کی شادی اور چاند سی دلہن ۔ کہیئے پسند ہے یہ انعام ۔ "

"کیا کہتے ہیں ۔ خوب ٹالنا چاہتے ہیں آپ ۔ ہم نہیں مانیں گے چچا جان ۔ "

"تو پھر کہیئے اور کیا چاہیئے ۔ "

"یہ ہم کچھ نہیں جانتے ۔ " اس گفتگو کے دوران میں سر مقصود

بھی آموجود ہوتے ہیں اور مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ ماشاء اللہ فرسٹ ڈویژن لیا چھوٹے صاحب نے۔

"آپ کو بھی مبارک ہو۔ شہناز بھی تو کامیاب ہوگئیں اور اچھی پوزیشن سے۔"

"جی ہاں سیکنڈ ڈویژن ملا ہے۔"

"لڑکیوں کیلئے یہی بہت ہے۔"

"بیشک۔"

"اس وقت چھوٹے صاحب ہم سے جھگڑ رہے ہیں انعام کے لئے۔"

"انعام تو ضرور ملنا چاہیئے آپ کو۔"

"انعام تو ہم نے کب سے سوچ رکھا ہے۔ لیکن وہ انعام انہیں آپ سے ملے گا ہم سے نہیں۔"

"میں تو خادم ہوں۔ جو فرمائیں۔ چھوٹے صاحب کے لئے جان بھی حاضر ہے۔"

"جان نہیں، راحت جان چاہیئے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"شہناز۔ شہناز کو دے سکتے ہیں ان کی شریک زندگی بنانے کے لئے۔"

"شہناز آپ کی ہے۔ آپ کو ہر طرح کا اختیار ہے۔ مجھسے کیا پوچھنا میں تو آپ کے احسانات سے زندگی بھر سر نہیں اُٹھا سکتا۔ خود اپنی ہی زندگی کی آخری تمنا بھی یہی ہے کہ شہناز کا سہرہ دیکھ لوں۔ اور پھر

آشیاں جل ہی چکا برق جہاں چاہے گرے

"آپ کی عین نوازش ہے۔ جو آپ ان کو اپنے دامن کے سایہ میں لے رہے ہیں۔ مبارک ہو۔ آپ آپ کس خیال میں محو ہیں چھوٹے صاحب۔ کسی سے کہو کہ وہ شربت اور پانی لائے۔"

"شربت اور اس موسم میں۔"

"جی شادی اور نسبت کی پہلی رسم یہی ہے۔ آئیے آپ ہی انتظام کیجئے آج۔"

چنانچہ نسبت کی ابتدائی رسم بڑی سادگی سے ادا کی جاتی ہے۔

مشہود مرحوم کے چالیسویں کی فاتحہ سے فارغ ہو کر سر مقصود شہناز کی شادی کی تاریخ مقرر کر دیتے ہیں۔ اگرچہ رضیہ سخت مخالفت کرتی ہے کہ کیا قیامت ہے کہ بیٹے کی برسی کا بھی انتظار نہ کیا جاوے اور شادی ہو جائے سر مقصود یہی جواب دیتے ہیں کہ ہمیں اپنی زندگی کا دو دن کا بھی بھروسہ نہیں اس فرض سے ادا ہو جائیں تو اطمینان حاصل ہو جائے۔

اب شادی کے کچھ دن باقی رہ گئے ہیں۔ دونوں طرف بڑے زور و شور سے اس شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آج کل زیادہ مصروف نظر آتے ہیں۔ کہیں زیورات کا انتخاب ہو رہا ہے تو کہیں شادی کے قیمتی جوڑوں کا۔ کہیں دعوتِ ولیمہ کا انتظام کی بات چیت تو کہیں بارات کی آرائش اور محفل کی تیاری پر مشورے۔ اس وقت ان کا منیجر خاص مسٹر زبیری

بھی موجود ہے جو کہہ رہا ہے کہ حضور آج کل جو ایک تھیٹریکل کمپنی یہاں آئی ہوئی ہے۔ میں نے اُس کے مالک سے بات کرلی ہے۔ انہوں نے دس ہزار کا تخمینہ دیا ہے آپ کے ڈرامہ کی تیاری کیلئے۔

"مگر ڈرامہ ہماری کوٹھی کے احاطہ میں ہی ہوگا۔"

"جی ہاں، یہ سب معاملہ طے کرلیا ہے۔ اس کے لئے مزید ساڑھے تین ہزار کی رقم عارضی اسٹیج کے لئے بڑھانا پڑے گی۔"

"تو کیا ہرج ہے کام اطمینان کے قابل ہونا چاہیئے۔ تو پھر وہ ڈرامہ ان لوگوں کے حوالے کردیا جائے۔

"مگر آپ تو فرما رہے تھے کہ ڈرامہ ابھی مکمل نہیں۔"

"ہاں ابھی کچھ آخری سین اس کے باقی ہیں۔ اتنے وہ اِس تیار حصے کی تیاری کریں تو ادہر باقی سین بھی مکمل ہو جائیں گے۔"

چنانچہ کوئی خاص ڈرامہ تھیٹر والوں کے حوالے کردیا جاتا ہے۔۔ پانچ ہزار کی پیشگی رقم کے ساتھ۔

شادی سے دو روز پیشتر۔ اس تھیٹر کے ڈرامہ نویس اس ڈرامے کے بقیہ سین لینے کے لئے حاضر ہوتے ہیں تو عبداللہ سیٹھ استفسار فرماتے ہیں۔

"کہیئے جتنا ڈرامہ آپ کے پاس پہنچ چکا ہے اس کی تیاری کا کیا عالم ہے۔"

"جی حضور، وہ تو بالکل مکمل ہے۔ کافی ریہرسلیں ہو چکیں اب صرف آخری سین کی ضرورت ہے۔"

"آخری سین ..... ابھی ہوا نہیں ہے۔"

"جی۔"

"آپ کا تو یہ کام ٹھہرا ۔ آپ ہی بتائیں کہ ڈرامہ کا انجام کیا ہونا چاہیئے ۔"

"انجام ۔ مجرم کو اُس کے جُرم کی پوری سزا اور انتقام کے فرض کی ادائیگی ۔"

"تو اس کو اپنے طور پر مکمل کر لیجئے ۔ ہماری طبیعت بھی آج کل ٹھیک نہیں ہے ۔ ادھر شادی کے انتظامات ۔"

"جیسا حکم ہو ، میں تو خادم ہوں ۔ تو پھر اب تک جتنا حصّہ مکمل ہو چکا ہے اگر اس کی گرانڈ ریہرسل حضور ملاحظہ فرمالیں ۔ تو بہت اچھا ہو ۔"

"اچھی بات ہے ۔"

"تو پھر کب ۔"

"کب "، بھئی منشی صاحب ، ہمیں وقت ملنا بہت دشوار ہے اس کے علاوہ ریہرسل دیکھ لینے کے بعد ڈرامہ کا لطف جاتا رہے گا ۔"

"ہے تو یہی بات ۔" اس قسم کی باتیں کر کے منشی صاحب تو رخصت ہو جاتے ہیں اور سیٹھ صاحب پھر اپنے دوسرے انتظامات میں مشغول ہو جاتے ہیں ۔ بات کی بات میں دن گذر گئے اور شادی کا دن آ ہی گیا ۔ بارات کی تیاری ہے ۔ باوجود چھوٹے صاحب کی مخالفت کے عبداللہ سیٹھ نے بارات کو نشالی اور شاندار بنانے کا بڑا انتظام کیا ہے ۔ بہترین آتش بازی ۔ کئی طرح کے نامی بینڈ ۔ اور شاندار آرائش ۔ بارات سے پہلے شادی کی کچھ اور رسمیں بھی ہوتی ہیں ۔ جس کا سلسلہ کئی دن سے جاری ہے اور آج خاص طور پر ادھر سے سانچق کے سلسلہ میں خوان پر خوان مٹھائی کے اور میوے کے بورے چاندی کی مٹکیاں ۔ سہاگ پُڑا اور دُلہن والوں کی طرف سے چاندی کی چوکی (چھوٹا

تخت) مہندی ۔ ابٹنا ۔ کیوڑہ وغیرہ آچکا ہے ۔ اور اب سانچق پہنچ جانے پر دولہا کا جوڑا ۔ پہنا دنی ۔ اور سہرہ ادہر سے بھیجا جاتا ہے ۔

چھوٹے صاحب ادہر دولہ بنائے جارہے ہیں ۔ ادہر بی نجمہ شہناز کی خاص سہیلی شہناز کا پہلو دبائے گوش محل میں اور دوسری لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی ہنسی مذاق میں مصروف ہیں ۔

بارات بڑی دھوم دھام سے روانہ ہوتی ہے ۔ راجہ صاحب بلرام پور کا ہاتھی پرتبی ۔ کارچوبی جھول اور گنگا جمنی ہودج سے مکمل تمام زیورات پہنے ہوئے ۔ مستک پر جھومر کے ساتھ دلکش نقش ونگار حاشیہ پر ۔ دولہ کی سواری کے لئے ۔ شہر کے تمام بڑے عہدیدار اور حکام اور اودھ کے بڑے بڑے تعلقہ دار اپنی شاندار سواریوں میں بارات کے ساتھ ہیں ۔ آگے آگے آتش بازی اور رنگ رنگ کے گولے چھوٹتے جاتے ہیں ۔ دولہ کی سواری کے آگے میاں بسم اللہ بنارسی شہنائی والے زری کا صافہ اور کمخواب کی شیروانی پہنے ۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ لہرا لہرا کر شہنائی نوازی کے کمال دکھاتے چلے جاتے ہیں ۔ غرضکہ شاہی تزک و احتشام کے ساتھ بارات سر مقصود کی ڈیوڑھی پر پہنچتی ہے ۔ بارات کو محل کے مشہور دیوان خانے میں اُتارا جاتا ہے ۔ ضروری رسمیں ادا کی جاتی ہیں ۔ نکاح خوان کے وقت دولہ کے باپ کا نام قاضی صاحب کو اس طرح بتایا جاتا ہے کہ سر مقصود قریب ہوتے ہوئے بھی نام سے ناآشنا رہے ۔ مبارک سلامت کے شور کے بعد پر تکلف کھانا بارات کو کھلایا جاتا ہے ۔ پھر محفلِ رقص وسرود برپا ہوتی ہے جس میں ہندوستان کے مشہور طائفے موجود ہیں ۔ ادہر دولہ کو زنان خانے میں بلایا جاتا ہے ۔ لکھنؤ کی مشہور ڈومنیاں گیت گا رہی ہیں ۔ رسمیں ادا ہوتی ہیں ۔ شہناز کی کلاس فیلوز جن

لڑکیاں چھوٹے صاحب کو چھیڑنے میں مشغول ہیں۔ جنہوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ باتوں باتوں میں رات ختم۔ صبح کو ناشتہ کے بعد رخصتی کی تیاری۔ جہیز باہر نکالا جا رہا ہے۔ سر مقصود خاندانی رئیس۔ دنیا جہان کا سامان۔

خدا خدا کر کے دوپہر سے کچھ پہلے دولہن کو ڈولہ میں سوار کرایا جاتا ہے اور بارات مع دولہ دلہن کے نشیمن کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ ڈولہ پر نچھاور کا سلسلہ جاری ہے۔ ڈولہ کی سواری کے آگے آگے دو کھاٹ اپنی اونچی آوازیں سُر تال سے بے نیاز ڈھولک پر گاتے جا رہے ہیں۔

نگری جگاتے بنو کو لیجیا مرا ہریالہ بنرا

بارات نشیمن پر پہنچتی ہے۔ دلہن کو اس کے خاص کمرہ میں جو اس کے لئے پہلے سے بڑے اہتمام کے ساتھ آراستہ کیا گیا ہے پہنچایا جاتا ہے۔ ادہر سیٹھ صاحب دعوتِ ولیمہ میں آنے والے مہمانوں کی خاطر مدارات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

دعوتِ ولیمہ میں جو کھانے مہمانوں کو پیش کئے گئے ہیں۔ وہ لکھنؤ کے نامی اور تجربہ کار بکاولوں اور باورچیوں نے تیار کئے ہیں۔ ایک طرف مشرقی دستر خوان کی بہاریں ہیں تو دوسری طرف یونیورسٹی کے سینکڑوں طلبا۔ پروفیسران اور شہر کے اپ ٹو ڈیٹ قسم کے حکام و روسا انگریزی قسم کے کھانوں پر ٹوٹے ہوئے ہیں۔ بڑی شاندار دعوت اور بڑے سلیقہ اور انتظام کے ساتھ ہزاروں کا مجمع مگر کیا مجال جو کسی قسم کا شور و غل سنائی دے جائے نہ دیگوں کے کھڑکنے کا شور نہ پانی کی پکار۔ نہ اولاؤ کی آوازیں۔ دو ڈھائی بجے تک کھانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

شب ہوتی ہے اور دولہ حجلۂ عروسی میں داخل ہوتا ہے۔ تمنائیں پیش قدمی کرتی ہیں۔ تو آرزوئیں پیشوائی کو بڑھتی ہیں۔ نگاہیں چار ہوتی ہیں۔

دونوں طرف لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی ہے۔ اور آخرکار وہی لطیف مسکراہٹیں تنویرِ سحر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں تو جبکہ نسیمِ سحری کے گدگدانے پر کلیاں آنکھیں کھولتی ہیں تو اس سے کہیں پہلے چمنِ مراد کے غنچے۔ اپنی مکمل شگفتگی سے ریاضِ آرزو کو معطر کر چکے ہوتے ہیں۔

ضروریات اور غسل سے فارغ ہو کر چھوٹے صاحب تو اپنے خاص کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ اور ادھر غسل کے بعد دُلہن کو جوڑا تبدیل کرایا جاتا ہے۔ اور کچھ وقفے کے بعد وہ میکے روانہ ہو جاتی ہے۔ آج ہی چوتھی کی رسم ادا ہو جاتی ہے۔ تیسرے پہر سے نشیمن میں چھوٹے صاحب کے بے تکلف دوستوں کا میلہ لگا ہوا ہے۔ اور شام ہوتے ہوتے یہ تمام چنڈال چوکڑی دُلہن والوں کے یہاں پہنچتی ہے۔ اور چوتھی کھیلی جاتی ہے اور ایکبار پھر دُلہن آراستہ پیراستہ ہو کر سسرال واپس آ جاتی ہے۔

چوتھی میں شریک ہونے والے لوگ شب کا کھانا سمرمقصود کے یہاں ہی تناول کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کوئی خاص مشغولیت وہاں سے واپسی کے بعد کسی کے لئے نہیں رہ جاتی۔

اس وقت رات کے آٹھ بج چکے ہیں۔ عبداللہ سیٹھ اپنے خاص کمرہ میں چھوٹے صاحب کے منتظر ہیں کہ وہ حاضر ہوتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ نے یاد فرمایا۔

"ہاں۔ بیٹے۔ اب ہمارے کام بھی کچھ اُول جلول ہونے لگے ہیں۔ بڑھاپا جو آ چلا۔ امتحان کا انعام یا شادی کا تحفہ ہمیں کل ہی پیش کر دینا چاہیئے تھا۔ مگر خیر لیجیے۔ اب سنبھالئے۔" (کچھ کاغذات پیش کرتے ہیں)

"یہ سب کیا ہے چچا جان۔"

"آپ کی امانت۔ قسمت کی زمین پر تدبیر کے دانے ڈال کر مالک کے فضل وکرم سے جو فصلیں سمیٹی ہیں وہ یہ ہیں۔ دولت جو کچھ تھی وہ آپ کے آبا جانِ مرحوم کی۔ میں اس کا محافظ تھا۔ کل پانچ ہزار کی نقد رقم آپ کے ورثہ کی مد میں باقی رہ گئی تھی۔ کیونکہ ساری دولت تو ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ چکی تھی۔ اس پانچ ہزار کو تجارت میں لگا دیا گیا تھا۔ ادھر ایک ڈربی کی لاٹری نکل آئی جس سے ریس کے کچھ گھوڑے خرید کر لئے گئے تھے۔ غرضکہ اسی طرح روئی کی تجارت اور دوسرے جائز طریقوں سے چوبیس برس کے اُلٹ پھیر میں یہ تقریباً ساٹھ لاکھ روپیہ کا کاروبار اور نقدی ہے۔ جس کے آپ تنہا مالک ہیں اس کو سنبھالئے۔۔"

"تو مجھے اس سب کھڑاگ کا کیا کرنا ہے۔"

"امانت کی زیادہ ذمہ داری ٹھیک نہیں۔ یہ کچھ ملوں اور کمپنیوں کے حصے ہیں یہ سرکاری قرضوں کے بانڈ۔ یہ تمسکات اور ہنڈیاں اور یہ بینک کی کتابیں۔"

"تو پھر ابھی رکھیے۔"

"نہیں وقت کا تقاضہ ہے کہ آپ کی چیزیں اب آپ کے سپرد کر دی جائیں۔"

جی مجھے ان میں سے کسی ایک چیز کی ضرورت نہیں۔ اگر ضرورت ہے تو صرف آپ کی اس سرپرستی کی جو آج تک مجھ یتیم کے ساتھ قائم رہی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ بادلوں نے اپنی بارش کے ساتھ مجھے زمین پر اُتارا تھا یا زمین نے اپنے پودوں کے ساتھ مجھے اُگایا تھا۔ میری والدہ کون تھیں کیسی تھیں۔ آبا جان کون تھے، کیسے تھے۔ میں نے آنکھ کھولی تو آپ کے آغوشِ محبت میں۔ ہاں

باپ سب کچھ آپ ہی تھے۔ اور آپ ہی کو سب کچھ سمجھا۔ آپ کی لاانتہا محبت نے میرے جا و بے جا ناز اُٹھائے۔ میری تعلیم و پرورش میں جس فراخدلی اور محبت سے آپ نے کام لیا ہے وہ بُھلا دینے کے قابل نہیں۔ اس لئے میری التجا ہے کہ مجھے اس مال و دولت اور اس کے حساب کتاب کی الجھنوں میں نہ پھنسائیں مجھے کیا چاہیئے آپ کی مہربانی اور محبت نے جو کچھ مہیا کر رکھا ہے۔ اب ایک ہستی کا اور اضافہ ہوگیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی میری طرح ان بکھیڑوں سے دور رہنا ہی زیادہ پسند کرے گی۔ چار وقت بہتر سے بہتر ناشتہ و کھانا۔ رہنے کو نشیمن ایسی لاجواب کوٹھی۔ سواری دو شاندار گاڑیاں۔ خدمت کے لئے درجنوں ملازم۔ جیب خرچ اور ضروریات کے لئے ہزاروں کے بینک کے کرنٹ اکاؤنٹ پہننے کے لئے عمدہ سے عمدہ لباس اور کیا چاہیئے اس زندگی کے لئے۔"

"پھر بھی ہمارا کہنا ہے کہ ان تمام چیزوں کی پڑتال کرلیں۔ زندگی کا کیا بھروسہ۔ ہم تو چراغِ سحری ہیں۔ آپ کو ان تمام چیزوں سے بے خبر نہیں رہنا چاہیئے۔ وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ...... اب ہم آپ کو کیا بتائیں کہ یہ سب ضروری کیوں ہے۔"

"کبھی کبھی تو آپ معمّوں میں بات کرنے لگتے ہیں چچا جان۔"

"زندگی خود ایک معمّہ ہے۔ اور ہر زندگی کے ساتھ کچھ راز ہوتے ہیں۔"

"تو کیا میری زندگی کے ساتھ بھی کوئی راز والبستہ ہے۔"

"ہے۔"

"تو پھر آج تو ضرور بتا دیجئے۔ آپ کو میری جان کی قسم۔ آج تو پوچھ کے رہوں گا۔"

"ایسا کوئی خاص راز تو نہیں۔ ہاں پہلے ہماری ایک بات کا تو

جواب دیجئے۔"

"فرمائیں۔"

"اگر کوئی خادم اپنے آقا کی برابری کرے تو کیسا۔"

"بہت بُرا"

"اور اگر وہ مالک کا بھی بڑا بن بیٹھے تو"

"یہ نالائقی ہو گی اُس کی۔"

"تو اب سن لیجئے۔ کہ یہ نالائقی آپ کے اس خادم سے اٹھارہ برس تک عمل میں آتی رہی۔ اس لئے اب زیادہ گنہگار نہ بنائیں۔"

"یہ کیا ہے چچا جان۔ کبھی کبھی تو آپ بڑے دل آزار مذاق پر اُتر آتے ہیں یا کچھ اُلجھی اُلجھی باتیں۔"

"آج ان تمام اُلجھنوں کے سُلجھانے کا دن ہے۔ دل آزاریاں ختم سمجھیں۔ کتاب زندگی کے کچھ پرانے ورق اُلٹائے جاتے ہیں۔ پڑھیں گے آپ"

"یہ کیا پہیلیاں بوجھ رہے ہیں آپ چچا جان۔ خدا کے لئے اب تو"

"میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں آپ کا چچا نہیں ہوں۔"

"پھر۔"

"ایک ادنیٰ ملازم۔ ایک معمولی خدمت گار۔ آپ کے والد مرحوم کا ایک پرانا نمکخوار۔"

"رہنے بھی دیجئے اس مذاق کو۔"

"یہ سب کیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کوئی مذاق نہیں۔ اب سنئے اپنی زندگی کا راز مگر احتیاطاً دروازہ بند کر دیں۔ دروازہ بند ہو جانے پر کمرہ کے اندر کچھ باتیں نہایت آہستگی سے ہوتی ہیں اور دروازہ کھلنے کے بعد چھوٹے

صاحب کے کسی سوال کے جواب میں۔ سیٹھ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں۔

"اس افسانے کی پہلی قسط پیش کر دی گئی۔ رہا یہ کہ قاتل کون ہے کہاں ہے۔ کس حال میں ہے۔ یا یہ واقعہ کہاں اور کس شہر میں پیش آیا تھا یہ سب کچھ آپ کو دوسری فرصت میں جلد ہی بتا دیا جائے گا۔ اُلجھن میں نہ پڑیں بس اب آپ تیار ہو جائیں۔ آج کا ڈرامہ دیکھنے قابل ہوگا۔"

"مگر مجھے تو کوئی دلچسپی نہیں ڈرامہ یا ناٹک سے۔ بیکار کو یہ سب کچھ کیا آپ نے۔"

"دہ بات یہ ہے کہ تھیٹر کے وہ منشی صاحب جنہوں نے یہ ڈرامہ لکھا ہے۔ ہمارے بڑے پرانے بمبئی کے ملنے والوں میں ہیں۔ اُن کی خواہش تھی کہ اپنی زندگی میں اپنے لکھے ہوئے ڈرامے کو ایک بار اسٹیج ہوتا ہوا دیکھ لیں انہوں نے ہم سے التجا کی۔ ہم نے بھی یہ سوچتے ہوئے کہ چلو شادی کی تقریب میں جہاں اور محفلیں ہیں وہاں ایک ڈرامہ بھی سہی۔ منشی جی کا ارمان بھی پورا ہو جائے گا اور ہمارے یہاں کی شادی کی تقریب میں بھی ایک انوکھاپن پیدا ہو جائے گا۔ ہاں ڈرامے کو ضرور دیکھئے۔ سر مقصود بھی آ رہے ہیں۔ میجر شوکت بھی اسپتال سے آ چکے ہیں۔ یہ سب لوگ ہوں گے۔ بس جلدی تیار ہو جائیں۔"

نشیمن کے کمپاؤنڈ میں ایک مختصر سا مگر شاندار اسٹیج بنایا گیا ہے۔ نشست کا معقول انتظام ہے۔ کچھ مخصوص مہمانوں کے علاوہ سرمقصود اور میجر شوکت بھی موجود ہیں۔ ٹھیک نو بجے گھنٹی بجتی ہے۔ اور مائک پر ڈرامہ کا اناؤنسر (اعلان کنندہ) لوگوں سے مخاطب ہوتا ہے۔

حضرات، زمانہ بدل چکا ہے۔ مذاق تبدیل ہو چکے ہیں۔ اس لئے ہم نے بھی اسٹیج کی اس پرانی روشنی کو بدل ڈالا ہے۔ تھوڑے وقت میں تین ایکٹ کا ایک مکمل ڈرامہ آج پیش کیا جا رہا ہے۔

اس ڈرامہ کا نام ہے خاموش انتقام۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دولتمند باپ کے دو بیٹے ہیں جن میں ایک قاتل ہے دوسرا مقتول۔ یہ دونوں بھائی اپنے کردار کے آئینے میں خیر و شر کے دونوں رُخ پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

پردہ اُٹھتا ہے

ایک عالیشان مکان کا اندرونی حصہ جو بہت آراستہ ہے ایک گہوارے میں ایک چھوٹا بچہ سو رہا ہے۔ ایک خادمہ گہوارے کی ڈوری کھینچ رہی ہے اس کے قریب ہی حصے پر ایک شخص نماز میں مشغول ہے۔ نماز سے

فارغ ہو کر دعا مانگتا ہے اور پھر مصلّے سے اُٹھ کر بچّے پر دم کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اب تو چھوٹے سرکار نے رات کا بگل بجانا کم کر دیا ہے۔ آرام کر رہے ہیں اس کے بعد گھڑی کی طرف دیکھ کر کہتا ہے کہ نو بج چکے اور دیکھو ابھی تک سرکار واپس نہیں آئے۔ جس کے جواب میں عورت کہتی ہے۔ اے ہزار بار عرض کیا ہوگا مگر وہ سنتے کس کی ہیں سو دوست۔ سو دشمن۔ رات کا وقت۔ جنگل کا راستہ۔ ہزار خطرے۔"

"اجی ہزار دشمن ایک طرف وہ اُن کی آستین کا سانپ اُن کا چھوٹا بھائی کیا کم ہے دشمنی کے لئے۔

"اور کیا۔ اب تک اُس نے کتنی کوشش کی ہے سرکار کی جان لینے کی۔ باورچی سے زہر دلوایا۔ کوٹھی پر حملہ کر دیا گیا۔ قاتل اس نے مقرر کئے وہ تو کہو کہ خدا کا فضل شاملِ حال رہا۔ جو سرکار اس موذی کے حملوں سے آج تک محفوظ رہے۔"

"وہ تو اس ننھے فرشتے کے خون کا بھی پیاسا ہے۔"

"بھائی کاہے کو ہے کمبخت وہ۔" یہاں یہ باتیں ہو رہی ہیں کہ باہر گھوڑے کے قدموں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ تو عورت کہتی ہے۔

"شاید آ گئے سرکار۔ (نوکر جلدی سے اُٹھ کر دروازہ کھولتا ہے اور ایک نوجوان خوش پوش سینے کے زخم کو ہاتھوں سے دبائے ہوئے جس کے کپڑے خون میں تر ہیں۔ کمرہ میں داخل ہوتا ہے۔

"اوہ میرے اللہ۔ یہ کیا۔" عورت کہتی ہے۔

"یہ کیا ہوا سرکار۔" مرد پوچھتا ہے۔

"وہی جو ہونا تھا۔ زخمی جواب دیتا ہے۔ اس بے درد نے اپنا مقصد

پورا کرلیا اور کیا۔"

"ارے جلدی کسی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ کھڑے کھڑے تماشہ کیا دیکھ رہے ہو۔" عورت نے کہا۔

"اب کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں۔ موت اپنا سایہ ڈال چکی ہے ہمت اور تقدیر کی مدد پر جس طرح ہو سکا یہاں تک پہنچ گیا ہوں۔ جلدی دروازہ بند کردو وہ غالباً میرے تعاقب میں آرہا ہے۔"

"آنے دیجئے اس خونی کا خون پینے کے لئے اس خادم کے بازوؤں میں کافی طاقت ہے۔"

"نہیں، نہیں، تم اکیلے ہو، اور وہ اپنی ٹولی کے ساتھ ہے نادانی میں وقت نہ گنواؤ۔ اب تم فوراً اس معصوم کو لیکر کسی طرف نکل جاؤ۔ ورنہ تم اس کو بھی کھو بیٹھو گے۔ جلدی کرو۔ لو یہ چابیاں تجوری کھولو اور جو کچھ اس معصوم کی قسمت کا اُس میں سے نکلے وہ ساتھ لو اس کی پرورش کیلئے۔"

"مگر اس حالت میں آپ کو تنہا کیسے چھوڑا جاسکتا ہے سرکار۔"

"سرکار پر خاک ڈالو۔ خاتمہ قریب ہے۔ ہماری مٹی تو کسی صورت ٹھکانے لگ ہی جائے گی۔ ہماری فکر چھوڑو۔"

"فکر چھوڑ دوں۔ میرا خون کھول رہا ہے۔ آپ کے حقِ نمک کی قسم کھا کر اور پروردگارِ عالم کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ میں لوں گا اِس خونِ ناحق کا انتقام اس خونی سے۔"

"یہ کام تمہارا نہیں۔" اس کا فیصلہ کرنے والا وہ منصفِ حقیقی ہے میرے اور اس کے درمیان۔ لیکن یہ سمجھ لو ؎

اس کی مخلوق عوض لیتی ہے اپنا جیسے وہ کسی طرح سے معبود کا انداز نہیں

بے گناہوں کا لہو رنگ دکھائیگا ضرور
اس کی وہ لاٹھی ہے جس میں کوئی آواز نہیں

"تو پھر ایسا کیجیے کہ صرف دو حرف لکھ دیجیے اپنے قلم سے، قاتل کا نام اور اپنے دستخط ۔"

"ناممکن ۔ مجھ پر تو جو گذرتی ہے وہ گذر ہی جائے گی لیکن میں اپنے بزرگوں کے نیک نام اور باعزت خاندان کو بدنام نہیں کر سکتا ۔"

فرق کیا پھر مجھ میں اس میں بھی گر جاہل بنوں
وہ مرا قاتل تھا اب اس کا میں قاتل بنوں

"خدا کے لئے کہنا مانو ۔ ورنہ پچھتاؤ گے ۔ وہ خونی بھیڑیا اس معصوم کی بو سونگھتا ادھر ہی چلا آ رہا ہے ۔ جلدی کرو ۔"

"بہتر، جو آقا کی مرضی ۔ لیکن مناسب ہوگا کہ ابھی بوا نصیبن کو یہیں ٹھہرنے دیا جائے آپ کی خدمت کے لئے ۔ میں چھوٹے سرکار کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا کر پھر آپ کو یہاں سے لیجاؤں گا ۔"

"نہیں، تم نہیں جانتے قاتلوں کی ذہنیت کو ۔ اگر یہاں رہیں تو ان کو بھی ٹھکانے لگا دیا جائے گا ۔"

"کیوں ؟"

"تاکہ شناخت کرنے والا کوئی گواہ باقی نہ رہے ۔"

"یا معبود کیسی مجبوری کا سامنا ہے ۔"

"صبر کرو ۔ اور اپنے اس ننھے فرشتے کو اٹھاؤ ... کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے تم سے کہ اس یتیم کا خیال رکھنا اب اس کا سوائے تمہارے اور کوئی نہیں ۔ لاؤ ادھر لاؤ ۔ میرے پاس ۔ تاکہ آخری پیار کر لیا جائے

ان کو۔ آؤ میرے لال۔ (پیار کرکے) جاؤ۔ سپردِ خدا۔ لو اہنیں۔ جلدی کرو۔

"لائیے"

میں وفا پر جان دونگا کیل ہے گر بیگانہ ہوں
آخری شمع تمنّا کا میں پروانہ ہوں

(اتنے میں باہر کچھ شور سنائی دیتا ہے)

"آن پہنچا وہ خونی۔ جلدی سے تجوری سے نقدی لے لو اور کوٹھی کے پچھلے دروازے سے نکل جاؤ۔"

نوکر بچے کو لے کر نکل جاتا ہے اور خونی ٹولی اس کمرہ میں داخل ہوتی ہے اور لوٹ وغارتگری کا کام شروع ہو جاتا ہے۔

(پردہ گرتا ہے)

(اناؤنسر)

اس کے بعد قاتل اپنی حاصل کی ہوئی دولت اور اثرات سے کام لے کر قانون اور انصاف کو دھوکہ دے کر صاف بچ جاتا ہے اور اس خون کا الزام اس وفادار نوکر کے سر تھوپتا ہے جو اپنے آقا کی معصوم امانت کو لئے ہوئے بمبئی روانہ ہو چکا ہے۔ پولیس انتہائی کوشش اس کو گرفتار کرنے کی کرتی ہے مگر وہ پولیس اور قاتل کے پنجے سے بچ کر بہت دور پہنچ چکا ہے۔

مقتول بھائی کی دولت اور جائداد حاصل کر لینے کے بعد قاتل اپنی روش میں زبردست تبدیلی پیدا کر لیتا ہے اور دولت کے زور پر نیکی شرافت اور فیاضی کا ایک مجسمہ بن کر عوام کی نظروں میں بڑی سے بڑی عزت حاصل

کر لیتا ہے۔

زمانے کو گزرتے دیر نہیں لگتی ۔ جرم قتل کو اٹھارہ برس گذر چکے ہیں ۔ اس دوران یہ قاتل بڑی حد تک بے فکر ہو جاتا ہے کہ اچانک اس کا ایک شریک جرم ساتھی اُس پر ایک مصیبت بن کر نمودار ہوتا ہے ۔ گویا اب قدرت کا خاموش انتقام شروع ہوتا ہے ۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں قاتل اپنی عزت ۔ شہرت ۔ دولت اور اولاد کے نقصانات سے وہ اپنا سکون قلبی کھو بیٹھتا ہے ۔ اور اب وہ احساسِ گناہ کی بھٹی میں سُلگنے والا ناگہانی مصائب کے شعلوں کی لپیٹ میں آجاتا ہے ۔ آپ دیکھنا چاہتے ہیں اس کی حالت ملاحظہ ہو ۔

(پردہ اُٹھتا ہے)

(قاتل پریشان حال کچھ بک رہا ہے)

او مکار دُنیا تجھ پر لعنت دھتکار ۔ تو وہ آئینہ ہے جو بے وفائی سے جلا کیا گیا ہے تو وہ جام ہے جو شراب مکر و فریب سے بھرا گیا ہے تو پہلے تو اپنے پرستاروں کو دلکش جھلک دکھا کر پیار و محبت سے اپنے پاس بُلاتی ہے اور جب وہ عقل کے اندھے ۔ ایمان کے دشمن تیرے قابو میں آجاتے ہیں تو پھر ان کو تڑپا تڑپا کر سسکا سسکا کر زندہ در گور کر دیتی ہے او ناہنجار میں بھی تیرا ایک شکار ہوں ۔ کیا تو انکار کر سکتی ہے ۔ کیا تو نے مجھے تباہ نہیں کیا اب میں تیری حمایت پر اپنے جرم سے انکار کر سکتا ہوں ۔ یہ دل ان پر ہوس اور گندے خیالات کا آئینہ ۔ یہ دماغ اس سیہ کاری کا دفتر ۔ یہ ہاتھ اس خون ناحق کے گواہ ۔ اور پھر سب سے بڑا گواہ ۔ وہ ..... میرے مالک ۔ پناہ ۔ پناہ ۔ دنیا کی وسعت اب مجرم پر تنگ ہو چکی ہے ۔ کہاں جائے کیا کرے

کس کا سہارا ڈھونڈے۔ کس کے دامن میں مُنھ چھپائے...... کون بولا۔ کوئی غیبی فرشتہ۔ اپنے جُرم کی سزا کے لئے مجرم تیار رہے۔ نہیں مجھپر رحم کیا جائے۔ مگر نہیں۔ میں نے ہی کب رحم کیا تھا۔ اب کس منھ سے رحم کی بھیک مانگ سکتا ہوں تو پھر اب کیا ہوگا۔ کیا ہوگا۔ پولیس۔ ہتھکڑیاں۔ بازاروں میں تشہیر۔ جیل خانہ۔ مقدمہ۔ پیشی۔ تماشہ۔ انصاف اور آخر میں پھانسی کا پھندہ۔ تڑپتی ہوئی لاش اور دنیا کی نفرت کے آوازے لیکن نہیں اِس ذلّت سے یہ بہتر ہے کہ میں خودکشی کرلوں۔ ٹھیک ہے خودکشی میرے تمام جرموں پر پردہ ڈال سکتی ہے۔ چل اے موت آج تیرا ایک پرستار تجھے بڑی محبّت سے پکار رہا ہے۔ اے ہمت میری مدد کر۔ اے ہاتھ میرا ساتھ دے اور ہاں یہ خنجر۔ جرموں کی سیاہی کو قاتل کے خون کی شہابی چادر میں ضرور چھپالے گا۔ مگر...... خودکشی۔ حرام موت ہے..... یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ آہ۔

(گر پڑتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

اناؤنسر

حضرات اب ذرا قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وہ وفادار ملازم بمبئی پہنچ کر ایک معمولی سی ملازمت اختیار کرلیتا ہے اور اس سرمایہ کو جو مالک کی تجوری سے ملا تھا ایک کاروبار میں لگا دیتا ہے ادہر اس سے جس طرح ممکن ہوتا ہے اور بچے کی پرورش اور نمود پرداخت میں اور تربیت و آرام کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ ادہر اس معصوم کی قسمت سے کاروبار میں

دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی ہے۔ ڈربی کی ایک لاٹری بچّے کی نام نکل جاتی ہے۔ پھر ذرا اور آگے بڑھ کر وہ ملازمت ترک کرکے خود کاروبار سنبھال لیتا ہے۔ یہاں تک کہ چودہ سال کے الٹ پھیر میں وہ بچّہ لاکھوں کی دولت کا مالک بن جاتا ہے۔ اب اس بچّہ نے جوانی کی منزلوں میں قدم رکھا ہے کہ وفادار ملازم اپنی خرابیٔ صحت کی بنا پر بمبئی کی سکونت ترک کرکے اس بچّے کو لئے ہوئے ایکبار پھر اس شہر میں آتا ہے جہاں سے چودہ سال پہلے مجرموں کی طرح منہ چھپائے اس بیکس یتیم کو لے کر نکلا تھا۔ لیکن اب کچھ اور ہی شان ہے۔ بچّے کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے کہ قدرت کو مذاق سوجھتا ہے کہ وہ قاتل کی بچّی اور اس بچّے کو ایک ہی درسگاہ میں لا ٹھہراتی ہے۔ جوانی اور جاذبیت اپنا کام شروع کردیتی ہے اور محبّت کی چنگاری ان دونوں پاکیزہ دلوں میں جھلملانے لگتی ہے۔ بالآخر اسی لڑکی سے مقتول کی یادگار اس یتیم نوجوان سے شادی قرار پاتی ہے اور اب قاتل اپنی اس پارۂ جگر کو اپنی تمام جائداد ساز و سامان کے ساتھ مقتول کے فرزند کی نذر کرنے پر مجبور ہوتا ہے جس کا خون پینے کے لئے وہ ایک دن خونخوار درندہ بنا ہوا تھا۔

ڈرامہ یہیں تک پہنچا ہے کہ سر مقصود بڑی بے چینی سے ایک آہ بھرتے ہیں۔ جس پر عبداللہ سیٹھ جو قریب ہی تھے پوچھتے ہیں کیوں کیا بات ہے۔

"وہی اختلاجی دورہ۔ بہت شدید دورہ۔ اب میں یہاں ایک منٹ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ اُف آہ۔"

"تو پھر چلئے میں آپ کو کوٹھی تک پہنچا آؤں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ گاڑی موجود ہے۔ میں اس وقت

کھلی ہوا میں گاؤں والی کوٹھی کی طرف جاؤں گا۔ وہیں طبیعت بحال ہوگی۔
"تو چلئے گاڑی تک تو پہنچا دیا جائے" (یہ کہہ کر سر مقصود کو سہارا
دے کر اٹھاتے ہیں۔
"کیوں کیا بات ہے چچا جان۔" (چھوٹے صاحب پوچھتے ہیں)
"اختلاج قلب کا شدید دورہ پڑا ہے ہم ابھی آئے۔ آپ ڈرامہ
دیکھیں۔" (یہ کہہ کر سر مقصود کو کار تک پہنچا کر اور اس کار میں بٹھا کر واپس
آتے ہیں) چھوٹے صاحب پوچھتے ہیں۔

"چچا جان"

"جی"

"یہ ڈرامہ"

"جی یہ ڈرامہ"

"کیا کچھ میری زندگی کا آئینہ دار ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر قاتل۔"

"ڈرامہ دیکھئے۔ ہم ابھی آئے۔ سر مقصود بڑی خراب حالت میں
گاؤں والی کوٹھی کی طرف گئے ہیں ان کی خیر خیریت ضروری ہے۔"

ادھر تھوڑے ہی وقفہ میں سر مقصود کی کار گاؤں والی کوٹھی میں
داخل ہوتی ہے۔ کوٹھی کا محافظ تیزی سے دوڑ کر کوٹھی کے دروازے کھولتا
ہے اور سر مقصود ڈرائیور کو کار واپس لیجانے کی ہدایت کرکے کوٹھی کے خاص
کمرہ میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ وہی کمرہ ہے جہاں میاں مسعود مرحوم نے دم توڑا
تھا۔ یہ کمرہ کا دروازہ یونہیں بھیڑ دیتے ہیں اور انتہائی پریشانی کے عالم

میں ایک صوفے پر گر پڑتے ہیں اور پھر کچھ وقفے کے بعد اپنے پراگندہ حواس جمع کرکے بیٹھتے ہیں اور کچھ بڑبڑاتے ہیں اور رفتہ رفتہ آواز بلند ہوتی ہے تو یہ کہتے سنائی دیتے ہیں ــ ڈرامے کا نام خاموش انتقام۔ ٹھیک ہے اس ڈرامہ میں گنہگار مقصود کی زندگی اور اس کے اعمال کا آئینہ پیش کیا گیا ہے۔ بالکل وہی واقعات ـ۔ تو کیا راز کھل گیا۔ میرا جرم دنیا پر ظاہر ہو گیا ــ تو پھر یہ چھوٹے صاحب۔ کیا وہی یتیم ...... اور عبداللہ ..... وہی مبارک ..... نہیں نہیں یہ سراسر وہم ہے۔ وہ نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں یکساں واقعات کی کمی نہیں ..... مبارک کی صورت یاد ہے وہ نہیں۔ تو پھر یہ کون اور ایسے ڈرامے کے پیش کرنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے ہے کچھ نہ کچھ حقیقت تو اس کے یہ معنی کہ راز افشا ہو گیا۔ پھر اب کیا ہو گا۔ بس پولیس ہتھکڑیاں لے کر یہاں پہنچنے ہی والی ہے اور پھر مجرم گرفتار ہو گا اور دنیا کے سامنے اس کی مجرمانہ زندگی کے اوراق الٹائے جائیں گے۔ تماشائی انگلیاں اٹھائیں گے اور لوگوں کے آوازے بلند ہوں گے۔ یہی ہے وہ حریص لالچی۔ دغا باز خونی۔ قاتل۔ اور ڈاکو۔ اور پھر عدالت میں قاتل کے نام سے پکارا جائے گا یہ مقصود ..... اور پھانسی کا پھندہ۔

لیکن نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں بزدل نہیں۔ اس پھانسی کے پھندے سے خودکشی ہزار درجہ بہتر ہے۔ بس یہی بہتر ہے (اٹھ کر ایک الماری سے پستول نکالتے ہیں اور اسے بھرتے ہیں) مسعود بھائی۔ میرے اچھے بھائی۔ آپ کا گنہگار۔ آپ کا خطا کار اب آپ کے پاس پہنچ رہا ہے اس کے لئے اب دنیا میں کوئی جائے پناہ نہیں۔ کوئی ٹھکانہ نہیں۔ آخر بھائی ہو اپنے نامراد قاتل بھائی کو اپنے دامن میں چھپا لو۔ آج وہ اپنی موت کو

دعوت دے رہا ہے۔ ہاں او بے رحم موت آ اپنا کام کر۔

اتنے الفاظ کہیا تھا ہی دروازہ کھلتا ہے اور عبداللہ سیٹھ یہ کہتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔

"مجرم کی پکار پر موت اس کے سامنے موجود ہے۔"

"اوہ سیٹھ .... صاحب .... آپ ۔آپ یہاں کیوں ۔ وہ اصل میں مجھ پر یہ دورہ پڑتا ہے تو کچھ پاگل سا ہو جاتا ہوں اور نہ جانے کیا سے کیا بکنے لگتا ہوں ۔"

"وہی جو آخری وقت ہر گنہگار بکا کرتا ہے ۔ چلو اچھا ہوا کہ تم نے جرم کا اقرار کر لیا ۔"

"جرم ۔کیسا جرم ۔"

"بے گناہ بھائی کے قتل کا ۔"

"غلط ۔ اُن کے قاتل تو وہ ڈاکو تھے یا ان کا خادم ۔"

"مبارک ۔"

"ہاں مبارک ۔"

"جو تمہارے سامنے موجود ہے ۔"

"مبارک کیا ابھی تک ۔"

"زندہ ہے ۔اپنے مظلوم و بے گناہ مالک کے خون کا انتقام لینے کے لئے ابھی تک زندہ ہے ۔یہی وہ جگہ ہے ۔پہچانتے ہو ۔جہاں میرا شریف مالک دم توڑ رہا تھا بیکس مقتول سبے درد بھائی کے لالچ کا شکار بنا تڑپ رہا تھا ۔ اسی خاک میں اس کا خون مل رہا تھا ۔ آج قاتل کی باری ہے ۔"

"او خدایا . . . . معاف کردو مبارک للہ معاف کر دو اس گنہگار کو"

"معاف کردوں ہا ہا ہا ۔ اٹھارہ برس سے اِسی دن اور اسی وقت کے خواب بڑی بے چینی سے دیکھتا رہا ہوں ۔

راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اسی دن کے واسطے

میں نے مالک کے حق نمک کی قسم کھائی ہے ۔ آج میرے انتقام کی باری ہے ۔ بھاگ سکتے ہو تو بھاگو میرے خوفناک پنجۂ انتقام سے ۔ "

"موت کا تو میں خود طلبگار ہوں مبارک ۔ یہ دیکھو یہ سب اسی کا سامان ہے ۔ موت کے ہی استقبال کی تیاری کر رہا تھا میں اگر تم دو منٹ اور تاخیر سے پہنچتے تو یہاں سوائے ایک تڑپتی ہوئی لاش اور بہتے ہوئے خون کے اور کچھ نہ پاتے ۔ اب اگر تمہاری خواہش ہے تو تم شوق سے میرا جھگڑا چکا سکتے ہو ۔ میں تمہارا احسان مانوں گا مبارک یہ کام تمہارے ہاتھوں مناسب بھی ہے ۔

"واہ رے منصف ۔ موت مانگ رہا ہے قاتل ۔ کیوں ۔ اب کہاں ہے وہ دنیا اور اس کی ہوس ۔ اب کدھر ہے وہ جائداد اور اس کی چاہت ۔ کس درجہ پہ اولاد اور اس کی محبت جس کے لئے تم نے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا تھا ۔ آج تم اپنے اکلوتے جواں لال کے ماتم میں مبتلا ہو ۔ اکلوتی بیٹی مقتول کے وارث کے حوالے کر چکے ۔ اب کیا باقی ہے تمہارے پاس ۔ سوائے بداعمالی کے بوجھ کے ۔ "

"خدا کے لئے اب ایسے جرکے نہ دو مبارک ۔ تم خوشی سے اپنی قسم پوری کر سکتے ہو لو یہ پستول موجود ہے ۔ (یہ فقرہ جاری ہے کہ چھوٹے صاحب داخل ہوتے ہیں) یہ کہتے ہوئے ۔

"نہیں اب یہ فرض، مجھے انجام دینا ہے۔"

"مگر چھوٹے صاحب ذرا ٹھہریئے۔"

"کچھ نہیں۔ ہٹ جایئے۔ آج دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس انتقام سے نہیں روک سکتی۔"

"بڑی خوشی سے۔ چھوٹے صاحب، اگر مجرم کے خون سے تمہارے انتقام کی پیاس بجھ سکتی ہے۔ تو۔ لو۔ بڑھو۔ یہ میرا ریوالور موجود ہے نشانہ درست کرو۔ مجرم کا سینہ چھلنی کر ڈالو۔ بڑھو۔ اپنا کام کرو۔ اچھا ہے جتنی جلدی اس سیہ کار زندگی کا خاتمہ ہو جائے جو اٹھارہ برس سے مسلسل احساسِ گناہ کی بھٹی میں پڑا سلگ رہا ہوں۔ ہاں۔ تمہارا احسانمند ہوں مبارک کہ تم نے زندگی اور موت کی کشمکش سے چھڑاتے کا بندوبست کر دیا۔ مجرم کو سزا ملنی ہی چاہیئے۔ بہت ممکن ہے کہ سزا ملنے کے بعد اس گنہگار روح کو کچھ سکون ملے۔ لیکن مرنے سے پہلے اس بدنصیب مجرم کی ایک آرزو کو آپ لوگ پورا کر دیں تو کیا کہنے۔

"کیا چاہتے ہیں۔" مبارک نے کہا۔

"آہ کیا بتاؤں۔ آج اٹھارہ برس کے بعد اس مظلوم و بے گناہ بھائی کی زندہ یادگار۔ ان کی جیتی جاگتی تصویر۔ ان کی پیاری نشانی۔ ان کا اکلوتا لال آنکھوں کے سامنے آیا ہے۔ جانے سے پہلے۔ دھڑکتے ہوئے دل اور بے چین روح کے سکون کے لئے۔ ایک التجا ہے..... کہوں... وہ درخواست پیش کروں.... ایکبار۔ صرف ایکبار۔ اُن کی زندہ لاش کو کلیجہ سے لگا لوں۔"

"ناممکن۔"

"تمہارا غصہ۔ تمہاری نفرت۔ تمہارے خیالات تمہیں ضرور روکتے ہوں گے۔ مگر پل بھر کے لیے۔ تم گذرا ہوا سب کچھ بھول جاؤ۔"

"ہوں۔ ضرور بھول جاؤں گا۔"

"کاش اس وقت تم اس دل کی تڑپ، روح کی بے چینی اور ان رگوں میں دوڑنے والے خون کی تیزی و روانی دیکھ سکتے۔ جو تمہیں دیکھ کر جوش بیتابی میں رگیں چیر کر مچل جانے کو تیار ہے.... کہنا مانو۔ تمہیں اس مقدس اور بے گناہ روح کی قسم۔ جس کا انتقام لینے آئے ہو۔ سنو۔ بڑھو۔ آؤ یہ میں جانتا ہوں کہ قاتل کی صورت دیکھ کر تمہارے خیالات تمہارا دامن کھینچ رہے ہوں گے کہ تم اس خونی بھیڑیے سے دور رہو جس نے تمہیں یتیمی کی بلاؤں میں مبتلا کیا...... در بدر پھرایا...... مگر مرنے والے کی آخری حسرت.... یہ تو سوچو..... اچھا۔ تم یہ ملعون صورت نہ دیکھو منھ پھیر لو۔ منھ پھیر کر دیکھا کلیجے سے لگ جاؤ۔ آؤ۔ آؤ۔ میرے لال ـــ میرا بیٹا ـــ میرا چاند ـــ خاندان کی آخری نشانی۔ آؤ۔

بیساختہ دیوا لور چھوٹے صاحب کے ہاتھ سے گر جاتا ہے اور گلے ملنے کو ہاتھ اُٹھ جاتے ہیں۔ لیکن سر مقصود چھوٹے صاحب کو گلے لگاتے ہی ایک زبردست آہ کے ساتھ زمین پر گر جاتے ہیں۔ دونوں بڑھ کر سنبھالتے ہیں۔

"کیا ڈاکٹر کو بلایا جائے۔" چھوٹے صاحب نے کہا۔

"نہیں۔ انتہائی صدمے کی وجہ سے غشی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ چھوٹے صاحب آپ کے والد مرحوم نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں قاتل کے خون سے ہاتھ نہ

زنگوں ۔ اس لئے مجبور تھا ۔ اس لئے انتقام کے لئے مجھے کچھ اور ہی راستے اختیار کرنا پڑے ..... اور اب جبکہ تہمینہ آپ کی رفیقۂ حیات بن چکی ہے تو مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ گھر کے ماحول کو مکدر کیا جائے ۔"

"پھر جیسی آپ کی رائے ہو ۔"

"وہ ہم نے بندوبست کر دیا ہے ۔ کل یہاں سے ایک گروہ حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہو رہا ہے ۔ یہ بھی اُن کے ساتھ چلے جائیں گے ۔ سفر کا تمام انتظام کر دیا گیا ہے ۔ سیٹ ریزرو ہو چکی ہے ۔ ٹرین میں اور جہاز میں ان کے لئے بذریعہ ٹیلیگرام جگہ مخصوص کی جا چکی ہے ۔ اب ان کے لئے یہی بہتر ہوگا کہ اب اپنی باقی زندگی دیارِ حبیب میں گذار دیں اور عاقبت کی بقا کے لئے توبہ استغفار کرتے رہیں ۔"

"بہتر ہے ۔"

مشورہ بکس پڑھنے والوں سے!

مشورہ بکس کا تیسرا سیٹ آپ کے ہاتھوں
میں ہے اس میں ہم، کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں
اس کا فیصلہ کرنے والے آپ ہیں۔
جہاں تک اس کی خوبیوں کا تعلق ہے
اسے چھوڑیئے لیکن جہاں تک خامیوں کا تعلق
ہے۔ چند سطور سپرد قلم کرکے تشکریہ کا موقع بخشیں

(منیجر)

POCKET BOOK

مشورہ بکس

چندرماں	(ناول)	عادل رشید
بالِ جبریل	(شاعری)	علامہ اقبال
کرشن چندر کے افسانے	(افسانے)	کرشن چندر
دیوانِ ظفر	(شاعری)	ظفر
کلامِ حالی	(شاعری)	حالی
کلامِ میر تقی میر	(شاعری)	میر تقی میر
لکشمی	(افسانے)	کرشن گوپال عابد
اُداس تنہائیاں	ناول	ٹھاکر پونچھی
انجانے راستے	(ناول)	وحشی محمود آبادی
صحت اور تندرستی		ڈاکٹر وشنو داس
خروشچیف کیا چاہتا ہے		خواجہ احمد عباس
وادیٔ نور	(جاسوسی ناول)	اکرم الہ آبادی
نشیمن	(ناول)	عابدہ حجاب لکھنوی
مسکرانے والیاں	(افسانے)	کرشن چندر
چندن ہار	(ناول)	عادل رشید
ایک ہنسی ہزار آنسو	(ناول)	کرشن گوپال عابد
ابوالہول کی روح	(جاسوسی ناول)	اکرم الہ آبادی

قیمت فی کتاب ۱/-

مشورہ بک ڈپو رام نگر گاندھی نگر۔ پوسٹ بکس 1639 دہلی 6

POCKET BOOK

مشورہ بکس

میرے صنم	(ناول)	زلیخا حسن
براج بہو	(ناول)	شرت چندر
رومیو جیولیٹ	(ڈرامہ)	شیکسپیر
عمر خیّام کی رباعیات	(شاعری)	پروفیسر واقف
دیوان غالب	(شاعری)	مرزا غالب
منٹو اور فلمی شخصیتیں	(فلمی دنیا کے سچے حالات)	سعادت حسن منٹو
دیوان داغ	(شاعری)	مرزا داغ
دیوان ذوق	(شاعری)	حضرت ذوق
بانگ درا	(شاعری)	علامہ اقبال
عذرا	(ناول)	کرشن چندر
پوجا	(ناول)	کرشن گوپال عابد
منحوس ستارہ	(ناول)	اکرم الہ آبادی
کشور	(ناول)	نسیم انہونوی
بڑی دیدی	(ناول)	شرت چندر
ہملیٹ (خون کا خون)	(ڈرامہ)	شیکسپیر
منٹو کے افسانے	(افسانے)	سعادت حسن منٹو
گمراہ	(ناول)	مضطر ہاشمی

قیمت فی کتاب -/1

مشورہ بک ڈپو، رام نگر، گاندھی نگر پوسٹ بکس ١٦٣٩ دہلی 6

دستکاری۔ ڈاکٹری۔ طبّی۔ مختلف ہنروں کی بینظیر اُردو کتابیں

(مشورہ بکڈپو کی بڑے سائز $\frac{20\times30}{16}$ پر چھپی ہوئی کتابیں)

انگریزی ہندی بولنا سکھانیوالی کتابیں

اُردو سے انگریزی خط وکتابت	4/-
اُردو انگریزی گرامر	4/-
فٹافٹ انگریزی بولنا سیکھو	4/-
اُردو انگلش ٹیچر	4/-
سات روپے میں میٹرک پاس	7/-
اُردو ہندی ٹیچر	3/-

ایلوپیتھک و ڈاکٹری کتب (اُردو میں)

ایلوپیتھک پریکٹس آف میڈیسن	7/50
ایلوپیتھک میٹریا میڈیکا	7/50
ایلوپیتھک انجیکشن بک	7/75
ایلوپیتھک کمپونڈر گائیڈ	7/50
آئی ڈاکٹر	4/-
بلڈ پریشر	3/25
ایلوپیتھک مائنر سرجری	6/-
ایلوپیتھک میڈیکل ڈکشنری	4/50
دنداں سازی	5/-
پیٹنٹ ادویات	4/-
سلفا ڈرگز	3/25
وٹامن گائیڈ	4/-
اسٹیتھسکوپ گائیڈ	3/-
پینی سی لین گائیڈ	4/25
بخار و تھرمامیٹر	2/75
ایلوپیتھک لیڈی ڈاکٹر	5/75

علمِ موسیقی کی کتابیں

ہارمونیم گائیڈ	4/-
بینجو عرف جاپانی بجانا سیکھنا	3/-
بانسری گائیڈ	3/-
وائلین گائیڈ	3/-

(ہر کتاب کا محصول ڈاک الگ ہوگا)

منگانے کا پتہ } مشورہ بک ڈپو، رام نگر، گاندھی نگر پوسٹ بکس 1639 دہلی 6

زراعتی طبی کتابوں کا عظیم ذخیرہ

(مشورہ بکڈپو کی بڑے سائز $\frac{20\times16}{16}$ پر چھپی ہوئی کتابیں)

جڑی بوٹیوں سے علاج کی کتابیں		سبزیوں کی کاشت	5/-
اصلی مخزن حکمت	5/-	علاج المویشی }	
طب الغربا	4/-	عرف }	4/50
مکمل جڑی بوٹی	5/-	طبیب مویشی }	
طب یورپ ایشیا عرب مخزن چار طب	6/-	طبیب مرغی خانہ	4/-
آیورویدک ہومیوپیتھک انجکشن بک	3/-	کامیاب مرغی خانہ	4/-
جرمن طب	2	تجارتی مرغی خانہ	4/-
باغبانی و زراعت کی کتابیں		ڈیری فارم	3/-
پھلوں کی کاشت	5/-	الموینیم سلفیٹ (ولائتی کھاد)	3/-

پیسہ پیسہ کی جڑی بوٹیوں سے علاج کرنا سکھانیوالی نایاب کتابیں

رسالہ بانسہ ۷۵ نئے پیسے	رسالہ آملہ ۳۷ نئے پیسے	رسالہ کیکر ۳۷ نئے پیسے	رسالہ اندرائن ۷۵ نئے پیسے
" مولی " "	" اجوائن " "	" ارنڈ " "	" دھتورہ " "
" پیاز " "	" سونف " "	" مُلٹھی " "	" آک " "
" تمباکو " "	" گھیکوار " "	" لہسن ۲ جسبر " "	" نیم " "

نوٹ:۔ ایکساتھ ۱۶ کتابوں کا پورا سیٹ خریدنے پر معہ ڈاکخرچ پانچ روپے پچاس نئے پیسے کی وی پی کی جاویگی

کھیتی باڑی کا کام کرنیوالوں کو مالا مال کرنے والی کتابیں

سنگترہ کی باغبانی ۵۰ نئے پیسے	لیموں کا باغ ۵۰ نئے پیسے	پان کی کاشت ۵۰ نئے پیسے	دس ہزار ایکڑ زمین ۵۰ نئے پیسے
آم کی باغبانی "	کیلے کی باغبانی "	شہد کی مکھیوں کی پرورش "	ایک ہزار من ہوا کی کھاد ۵۰ پیسے
انار کا باغ "	انناس کی باغبانی "	پھولوں کی باغبانی "	پھلوں کے دشمن اور
پپیتہ کی کھیتی "	انگور کی باغبانی "	کھادیں اور اسکا استعمال "	ان کا علاج ۵۰ نئے پیسے

نوٹ:۔ ایکساتھ ۱۴ کتابوں کا پورا سیٹ خریدنے پر معہ ڈاکخرچ -/6 روپے کی وی پی کی جاوے گی۔

ہر کتاب کا محصول ڈاک الگ ہوگا | مشورہ بکڈپو رام نگر۔ گاندھی نگر پوسٹ بکس 639 دہلی 6

دولت و دُنیا کے پرستاروں کو، انکی حرص و

ہوس کس قدر اندھا بنا دیتی ہے اور وہ منصف حقیقی

کے انصاف کو بھول کر کیسی شیطنت و درندگی

پر اُتر آتے ہیں۔ لیکن قدرت انسانی گروہ میں

سے کسی کو اپنے خاموش انتقام پر مقرّر

کر دیتی ہے اور مجُرم کس طرح اپنے اعمال بد

کی ہولناک سزا پاتے ہیں۔ وہ عابدہ حجاب لکھنوی

کے اس ناول سے ظاہر ہوگا۔

قیمت فی کتاب 1/-

POCKET BOOK 261